بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیرِ سرپرستی:
عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

شوال المکرم ۱۴۳۷ھ | جولائی ۲۰۱۶ء | جلد نمبر ۴۰ شمارہ ۷

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی
نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی
منیجر: محمد محبوب عزیزی
تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی
مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی
مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ
دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور
اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY
Mubarakpur. Azamgarh
(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے
سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ
بنام
مدرسہ اشرفیہ
بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462
دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149
الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092
دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ
500 روپے
دیگر بیرونی ممالک
20 $ امریکی ڈالر   15 £ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org   E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	کتبِ اسلاف کا تحفظ: وقت کا ایک لازمی تقاضا	محمد طفیل احمد مصباحی	۳

تحقیقات

علمی تحقیق	قلم کاروں کی علمی خیانتیں	محمد توفیق احسن برکاتی	۶

فقہیات

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۴

نظریات

فکر امروز	اسلام اور دہشت گردی	محمد انیس احمد	۱۶

اسلامیات

خوشبوے بصیرت	تعلیمات نبوی کے انمول تحفے	محمد شاہد رضا قادری	۲۰
شعائر	داڑھی کی شرعی حیثیت	محمد افروز قادری چریاکوٹی	۳۰

شخصیات

انوارِ حیات	فتاویٰ عالم گیری کے دو گم نام مؤلف	محمد طفیل احمد مصباحی	۳۴
آئینۂ حیات	مجدد الف ثانی اور علوم و معارف	محمد فہیم احمد ثقلینی ازہری	۳۹

بزمِ خواتین

طرزِ عمل	نکاح رحمت اور مطالبۂ جہیز زحمت	محمد ہاشم قادری مصباحی	۴۲

ادبیات

گوشۂ ادب	کلامِ آسی میں عشقِ رسول کے جلوے	اختر حسین فیضی مصباحی	۴۵
نقد و نظر	جامع مسانید الامام الاعظم	مبصر: توفیق احسن برکاتی	۵۰
خیابانِ حرم	مناجات و نعتیں	احسن اعظمی/قمر جیلانی/مہتاب پیامی	۵۲

مکتوبات

صداے بازگشت	مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی/ماسٹر محمد مثنیٰ حارث		۵۳

وفیات

سفر آخرت	حضرت شیخ الجامعہ کو صدمہ		۵۴

سرگرمیاں

خیر و خبر	عرسِ محسنِ ملت/دار العلوم محمدیہ کا جلسۂ دستارِ فضیلت/جامعہ صدیقیہ سوجا شریف میں جلسہ		۵۵

اداریہ

کتب اسلاف کا تحفظ

وقت کا ایک لازمی تقاضا

محمد طفیل احمد مصباحی

کسی دانشور اور حکیم نے بڑی حکمت اور پتے کی بات کہی ہے:

”ہمارے اسلاف نے مختلف علوم و فنون پر اتنا زیادہ لکھ دیا ہے کہ اب اس پر اضافہ ممکن نہیں“۔

اس قول میں عقیدت سے زیادہ حقیقت کا عنصر غالب ہے۔ ہمارے اسلاف کرام، بزرگانِ دین، علمائے امّت اور ائمۂ دین و شریعت نے مختلف علوم و فنون پر بے شمار کتابیں لکھی ہیں اور ان کے ممکنہ گوشوں پر سیر حاصل بحثیں فرمائی ہیں۔ اسلامیات، درسیات، فقہیات اور عقلی و نقلی علوم و فنون پر اپنی معلومات افزا نگارشات اور بیش بہا تحقیقات کا دریا بہا کر نہ صرف ملّتِ اسلامیہ بلکہ پوری دنیائے انسانیت پر احسان عظیم فرمایا ہے۔ غرض کہ علم و حکمت اور تحقیق و تنقیح کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس پر انھوں نے اپنا آشیاں نہ بنایا ہو۔ ہمارے قابلِ فخر بعض اسلاف تو ایسے بھی گذرے ہیں، جنھوں نے عربی زبان میں دو سو، پانچ سو اور مختلف زبانوں میں ایک ہزار سے بھی زائد کتابیں تصنیف کی ہیں اور علم و تحقیق کے ہر بام و فصیل پر اپنی گراں قدر تحقیقات سے کمندیں ڈالنے کی کوششیں کی ہیں اور اس عمل میں کامیاب بھی رہے ہیں۔ مگر یہ کس قدر افسوس کہ بات ہے کہ مغربی دنیا میں بسنے والے مفکّرین و مستشرقین ہمارے اسلاف کی علمی و فکری تحقیقات سے فائدہ اٹھاکر دن بدن انفس و آفاق پر چھائے جا رہے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ آج ہمیں اپنے اسلاف اور بزرگوں کی تحقیقات و تصانیف کا صحیح علم تک نہیں۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی، جلالۃ العلم امام فخر الدین رازی، علّامہ ابن حجر عسقلانی، علّامہ عینی، حافظ ابن کثیر، امام ذہبی، امام جلال الدین سیوطی، امام عبد الوہاب شعرانی، علامہ ابن عابدین شامی وغیرہم۔

اسلامی تاریخ کی یہ وہ مایۂ ناز ہستیاں ہیں، جن کی علمی تحقیقات، بیش بہا تصنیفات، اور علوم و فنون میں مرتبۂ کمالات پر فائز ہونے کا اعتراف اغیار نے بھی کیا ہے اور ان کی تحقیقات سے خوب خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ ہم نے ان بزرگوں کا نام تو سنا ہے مگر، ان کے قابلِ رشک کارناموں اور ان کی ہمہ جہت دینی، علمی، فکری اور تحقیقی خدمات کا ہمیں کماحقّہ علم نہیں ہے۔

برّ صغیر پاک و ہند کے تناظر میں دیکھیں تو یہاں بھی صاحبِ تصانیف علمائے کرام، فقہائے عظام، مشائخِ ملّت اور اربابِ طریقت و معرفت کی ایک لمبی فہرست ہے، جنھوں نے علوم و معارف، حدیث و فقہ، تفسیر و کلام، نحو و صرف، منطق و فلسفہ اور تصوف و معرفت کے مسائل و دقائق پر بیش بہا تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ آج یہ کتابیں ہندوستان کی مشہور و معروف لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں یا پھر خانقاہوں اور ذاتی کتب خانوں میں دیمک کی خوراک بن رہی ہیں۔ یہ کتابیں لائبریری کے قید خانوں سے نکلنے کے لیے آج بھی بیتاب ہیں اور شائقانِ علم و فن کی راہیں تک رہی ہیں۔ ہزاروں کتابیں اور بیش بہا تصانیف انقلاباتِ زمانہ اور مرورِ ایّام کے سبب بوسیدہ ہوکر ہمیشہ کے لیے دنیا سے ناپید اور ختم ہوگئیں۔ تلاشِ بسیار کے بعد اہلِ علم یہ لکھنے پر مجبور ہوگئے کہ ”فلاں کتاب کا نسخہ ہماری معلومات کی حد تک اب کہیں دستیاب نہیں ہے“۔ اس افسوس ناک صورتِ حال پر جس قدر بھی ماتم کیا جائے، وہ کم ہے۔ علم و ادب اور کتب و رسائل کی موت، دراصل قوم کی موت ہے، ایک تہذیب اور ایک معاشرے کی موت ہے۔ مسلمان جیسی مایۂ ناز اور علم پرور قوم جس کے آباء و اجداد اور مشائخ و اسلاف نے علوم و فنون کی سرپرستی فرماکر پورے دنیا میں علم و تہذیب کا اجالا پھیلایا، آج وہی مسلم قوم علم و ادب سے دور اور اپنے اسلاف کی چھوڑی ہوئی کتابوں سے غفلت اور بے اعتنائی برت رہی ہے۔ یہ کس قدر حیرت، تعجّب اور افسوس کی بات ہے!

مخدومِ بہار شیخ شرف الدین یحیٰ منیری، قاضی شہاب الدین دولت آبادی، ملّا عبد الحکیم سیالکوٹی، قاضی محب اللہ بہاری، شیخ امان اللہ بنارسی،

ملا احمد جیون امیٹھوی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ مجدّد الف ثانی، شیخ وجیہ الدین گجراتی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، امام احمد رضا محدث بریلوی، صدرالشریعہ علامہ امجد علی اعظمی، ملک العلماعلامہ ظفرالدین بہاری علیہم الرحمۃ والرضوان۔

ہندوستان کے یہ وہ مایۂ ناز اور جلیل القدر علما و مشائخ ہیں جنھوں نے دین و مذہب، دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی بلند پایہ تصانیف اور معلومات افزا کتب و رسائل، علوم و معارف کا گنجینہ اور اصلاح امت کے حوالے سے مشعلِ راہ اور قندیلِ رہبانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارے ان اسلاف میں بعض ہی ایسے خوش بخت ہیں جن کے کتب و رسائل عوام و خواص کے درمیان رائج و مقبول ہونے کے ساتھ مارکیٹ میں بھی دستیاب ہیں۔

زیادہ تر مشائخ و اسلاف تو ایسے ہیں جن کی علمی فتوحات کا تذکرہ محض سوانحی کتابوں میں پڑھنے کو ملتا ہے اور خواص ہی ان کے ناموں اور کاموں سے واقف ہیں۔ لیکن ان کے تحریر کردہ کتب و رسائل نہ عوام و خواص میں مقبول و رائج ہیں اور نہ مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔

سلطان المحققین، مخدومِ بہار حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری علیہ الرحمہ کو بھلا کون نہیں جانتا۔ تختِ علم و ولایت پر آپ کی حکمرانی و سلطانی مسلم ہے۔ آپ جتنے بڑے عالم و فاضل، شیخِ وقت، ولیِ کامل اور عارف باللہ تھے۔ اتنے ہی بڑے محدّث و مفسّر، محقق و مفکر، منطقی و فلسفی، ادیب اور صاحبِ قلم بھی تھے۔ آپ کی علمی جلالت کے سبب آپ کو ”سلطان المحقّقین“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایک صوفی اور ولیِ کامل کو اتنا بڑا لقب اور بھاری بھر کم خطاب کامل جانا بہت بڑی بات ہے۔ ورنہ عام طور سے صوفیائے کرام کی ولایت و کرامت کا تذکرہ تو کیا جاتا ہے، مگر ان کی علمی جلالت اور علوم و فنون میں ان کی مہارت و بصیرت سے اغماض برتا جاتا ہے۔

حضرت مخدومِ بہار علیہ الرحمہ کے بارے میں تذکرہ نگاروں اور خاندانی افراد کا دعویٰ ہے کہ آپ نے مختلف علوم و فنون میں تقریباً ایک ہزار سات سو (۱۷۰۰) کتابیں لکھی ہیں۔ عجم کے علاوہ عالمِ عرب میں بھی آپ کے کتب و رسائل رائج و مقبول رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن آج ہم ان کی ایک درجن کتابوں پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔ باقی کتابیں کہاں گئیں؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدّث بریلوی قدس سرّہ نے متعدّد فنون پر تقریباً ایک ہزار تصانیف یادگار چھوڑیں، جیسا کہ اہلِ علم و قلم بیان کرتے ہیں۔ لیکن ان کی تمام کتابیں اب تک منظرِ عام پر نہیں آسکیں۔ فتاویٰ رضویہ، کنزالایمان، الملفوظ، احکامِ شریعت، الدولۃ المکیہ، فتاویٰ افریقہ وغیرہ کے علاوہ آپ کے جس قدر کتب و رسائل اس وقت مارکیٹ میں نظر آتے ہیں، وہ تقریباً فتاویٰ رضویہ سے ہی لے کر علاحدہ طریقے سے شائع کیے گئے ہیں۔

علمائے فرنگی محل کی ہمہ جہت دینی، علمی، تدریسی اور تصنیفی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ عبدالحی فرنگی محلی علیہ الرحمہ نے نہایت قلیل عرصے میں مختلف علوم پر بیش بہا کتابیں لکھیں، درسی کتابوں کے شروح و حواشی کے علاوہ آپ کی اکثر کتابیں پردۂ گمنامی میں پڑی ہوئی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کے جملہ کتب و رسائل اور شروح و حواشی کے نام تک سے ہمارے کان ناآشنا ہیں۔ ان کا مطالعہ کرنا اور انھیں زیورِ طباعت و اشاعت سے آراستہ کرنا تو دور کی بات ہے۔

قارئینِ کرام! مندرجہ بالا سطور سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ہمارے اسلاف نے دینی، ملّی، علمی، قلمی، تحریری اور تصنیفی میدان میں کس قدر عظیم الشان خدمات اور کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں اور ان کی کتابوں سے آج ہم کتنی زیادہ غفلت برت رہے ہیں۔ کتبِ اسلاف کا تحفّظ: کیوں اور کیسے ہو؟ یہ ایک مستقل موضوع بحث ہے، جس پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے اور لائحۂ عمل مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح کتبِ اسلاف کا تحفظ حالات کا ایک جبری تقاضا اور وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ان کتابوں میں ہماری تعمیر و ترقی اور صلاح و فلاح کا راز پوشیدہ ہے۔

علم و حکمت، شعر و ادب، تحقیق و تنقیح اور تصنیف و تالیف کا مبارک و مسعود سلسلہ کل بھی جاری تھا، آج بھی ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ حالات اور دینی ضروریات کے پیشِ نظر از سرِ نو کتابیں لکھنا، بڑی اچھی بات ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ دیمک کی خوراک بن رہی کتابوں کو لائبریریوں کی قید سے آزاد کیا جائے اور انھیں ترتیب و تحقیق اور تسہیل کے ساتھ جدید رنگ و آہنگ میں منظرِ عام پر لایا جائے۔

جلالۃ العلم، حافظ ملّت علامہ شاہ عبدالعزیز محدّث مرادآبادی علیہ الرحمہ (متوفیٰ:۱۳۹۶ھ) کی بے پناہ قربانیوں اور جانفشانیوں کے نتیجے میں آج جامعہ اشرفیہ، مبارک پور اسلام و سنیت کا ایک عظیم قلعہ اور پلیٹ فارم بن گیا ہے، جہاں سے دین و مذہب، قوم و مسلک اور علم و دانش کی ہمہ جہت خدمات منظم طریقے سے انجام دی جا رہی ہیں۔ فارغین اشرفیہ یعنی مصباحی علما پوری دنیا میں حافظ ملّت کا دینی و علمی فیضان تقسیم کر رہے ہیں۔

تحریکِ اسلاف شناسی کا ایک اہم تقاضا کتبِ اسلاف کا تحفظ اور ان کی طباعت و اشاعت بھی ہے، اس حوالے سے جامعہ اشرفیہ کے شاہین صفت، باذوق اور حوصلہ مند طلبہ کی علمی و تصنیفی سرگرمیاں اپنے عروج پر ہیں۔ نصر المقلدین، نصرۃ المجتہدین، حمایۃ المقلدین، لمعات التنقیح، انتصار الحق، انوارِ آفتاب صداقت، مسانیدِ امام اعظم، تقدیس الوکیل، مخالفین تقلید! ایک جائزہ اور ''مجدّدِ دینِ اسلام نمبر'' وغیرہ جیسی اہم اور نادر کتابیں اشرفیہ اور طلبہ اشرفیہ کی محنت و کاوش سے منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ سابعہ و فضیلت کے طلبہ سال بہ سال اسلاف کرام کی کوئی نہ کوئی اہم مگر ناپید کتاب ضرور شائع کرتے ہیں۔ اور جہاں تک دستار بندی کے موقع پر طلبہ اشرفیہ کی انفرادی تحریری کاوشوں کی بات ہے، تو اس سلسلے میں ہر سال اتنی زیادہ کتابیں منظرِ عام پر آتی ہیں کہ انھیں شمار کرنا بھی بعض اوقات دشوار ہو جاتا ہے۔

کتبِ اسلاف کے تحفظ اور اپنے اسلاف و مشائخ کی درسی کتابوں کو اغیار کی خرد برد اور ریشہ دوانیوں سے بچانے کے لیے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا اشاعتی ادارہ ''مجلس برکات'' نے گذشتہ پندرہ سالوں میں قابلِ فخر اور لائق تقلید کارنامہ انجام دیا ہے۔ ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء میں ''مجلس برکات'' کا قیام عمل میں آیا۔ اس کا اصل مقصد نظرِ ثانی اور صحت و عمدگی کے ساتھ کتبِ درسِ نظامی کی اشاعت اور حسبِ ضرورت حواشی اور شروح نویسی بھی ہے۔ اساتذہ اشرفیہ اور دیگر اہلِ علم و قلم یہ عظیم کارنامہ بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جامعہ اشرفیہ اور طلبۂ اشرفیہ کے عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور ان کی ہمہ جہت دینی، علمی، دعوتی اور تصنیفی سرگرمیوں میں مزید اضافہ فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہم التحیۃ والتسلیم۔

اشرفیہ کلینڈر 2017

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور آج برصغیر کا عظیم ترین ادارہ ہے، اس کے فیوض و برکات عالمِ اسلام اور مغربی ممالک میں بھی محسوس کیے جا رہے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ اس کے شعبۂ نشریات سے سالانہ کلینڈر (۶/ورقی) ۲۰۱۷ء منظرِ عام پر آگیا ہے۔

اشرفیہ کلینڈر میں انتہائی خوب صورت ڈیزائن میں آیات و احادیث ہوتی ہیں، جلالۃ العلم حضور حافظ ملت کے روضۂ انور کا عکسِ جمیل اور جامعہ اشرفیہ کی کثیر عمارتوں کی تصاویر بھی رہتی ہیں۔ اسی کے ساتھ بزرگانِ دین کے اعراس کی تاریخ بھی ہوتی ہے۔

آپ حضرات سے گذارش ہے کہ آج ہی آرڈر نوٹ کرائیں۔

اشرفیہ کلینڈر خریدنے کا مطلب ایک دینی اور علمی ادارے کا تعاون بھی ہے۔

رابطے کا پتہ

منیجر ماہ نامہ اشرفیہ

مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۴۰۴، فون نمبر: ۲۵۰۱۴۹ (۰۵۴۶۲)

قلم کاروں کی علمی خیانتیں

توفیق احسن برکاتی

کہنے والے نے بالکل سچ کہا ہے کہ: ”دنیا میں صرف دو قوتیں ہیں، تلوار اور قلم، بالآخر تلوار پر قلم ہی کو فتح حاصل ہوتی ہے“ تلوار کے ذریعہ لگائے جانے والے نشانات کو گردش زمانہ کے تھپیڑے مٹا دیا کرتے ہیں مگر تحریر وقلم کے گہرے نقوش صدیوں تک باقی رہتے ہیں، جس طرح کوئی زمینی جنگ جیتنے کے لیے قابل اعتماد ساتھی، عزم وحوصلہ سے لیس جواں مرد لشکریوں کی ضرورت پڑتی ہے ساتھ ہی ان سب کا تلوار اور نیزہ بازی میں کامل مہارت شرط اولین ہے۔ ٹھیک اسی طرح تحریر وقلم اور زبان وبیان کے ذریعے فکری، علمی اور نظریاتی معرکہ سر کرنے کے لیے مشاق، کہنہ مشق، فکر وفن میں کامل اور گہرے مشاہدے کے حامل افراد کا وجود ضروری ہے ورنہ نتائج اس قدر بھیانک، کریہہ، ناقابلِ برداشت اور وحشت ناک برآمد ہوں گے کہ صدیوں تک ان بگڑے ہوئے حالات کو نارمل اور ماحول کو سازگار نہیں بنایا جاسکے گا۔ بغاوت اور سرکشی جس طرح میدان جنگ میں سخت قابل نفریں اور لائق گردن زدنی ہے یوں ہی زبان وقلم اور فکر وفن کے میدان میں خیانت وتمرد کو ناقابل معافی قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں میدانوں میں ”منافقت“ کے تمام حربے لائق ملامت اور کسی بھی قوم ومذہب کے لیے بھیانک نقصانات کا پیش خیمہ ہیں۔ تاریخ کا ہر طالب علم اور کتب تواریخ کا ہر قاری اس حقیقت کو جانتا ہے کہ ہر عہد میں لشکریوں میں شامل باغیوں اور منافقوں کا ایک گروہ ضرور رہا ہے جس نے آستین میں پل کر اپنے محسن کا اعتماد اور اس کی طاقت کو زہر پلانے کی کوششیں کی ہیں اور بے شمار جگہوں پر انھیں کامیابی بھی میسر آئی ہے۔ یوں ہی تاریخ زبان وقلم کا مطالعہ کرنے والا اس بات کو مانتا ہے بلکہ آئے دن اس سچائی کا مشاہدہ بھی کرتا ہے کہ کن کن جدید حربوں سے سچائیوں کا قتل عام کیا جاتا ہے، علمی وقلمی خیانتوں کے ایسے ایسے مظاہر سامنے آتے ہیں کہ ان کی تحریرات اور قلمی خدمات کی تمام تر توانائیوں پر خون کے آنسوں رونے کا دل کرتا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم ایسے ہی قلم کاروں کی علمی خیانتوں کا پردہ چاک کریں گے اور پھر بڑے ہی ادب کے ساتھ ان قلم کاروں سے گزارش کریں گے جنھیں موضوعات کی تلاش پریشان کیے رہتی ہے، جو وقتی اور آوارہ گرد موضوع پر کتاب یا کتابچہ تو لکھ ڈالتے ہیں لیکن اپنے مذہب کی اخلاقیات اور بنیادی تاریخی حقائق پر ان کا کوئی مضمون یا مقالہ نظر نہیں آتا۔ وہ زندہ شخصیات کے ”اتفاقات“ کو ”کرامات“ کا لباس پہنا کر ایک ضخیم تذکرہ تو مرتب کردیتے ہیں لیکن اپنے نمائندہ اسلاف کی سچی تاریخ اور عمدہ تذکرہ لکھنے سے دانستہ پرہیز کرتے ہیں۔ ہم نے مارچ ۲۰۱۴ء کے اداریے میں مذہبی ادب کے موضوع پر اظہار خیال کیا تھا۔ اگر قارئین کے ذہن میں اس کے اثرات باقی ہیں تو اِس موضوع میں ان کی دل چسپی مزید بڑھ سکتی ہے۔

دنیا مانتی ہے کہ جرم کرنا گناہ ہے، مجرم کا اصل چہرہ بے نقاب کرنا گناہ نہیں۔ جرائم کے اسباب فراہم کرنا غلط ہے، جرائم کی روک تھام کے لیے اسباب وعوامل کی نشان دہی کچھ غلط نہیں۔ ایک قلم کار اپنی تحریر سے تاریخ نویسی کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے، تاریخ سازی بھی کرتا ہے، سچائیوں کو نمایاں بھی کرتا ہے، انہیں چھپاتا بھی ہے بلفظ دیگر قلم کے ذریعہ دلوں کو زخمی بھی کیا جاسکتا ہے اور زخمی دل کو مرہم زنگار بھی مہیا کرایا جاتا ہے۔

اب ہم اپنے قارئین کے روبرو قلمی خیانتوں اور نام نہاد علمی تحقیقات کے کچھ جلوے پیش کرتے ہیں تاکہ ہمارا دعویٰ صرف دعویٰ نہ رہ جائے اور اردو زبان وادب یا مذہبی ادب کا ایک عام قاری بھی چوکنا اور محتاط ہوکر کسی تحقیق کو پڑھنے کی کوشش کرے اور تحریر وقلم کی خدمت کے نام پر کی جانے والی دھاندھلیوں سے باخبر رہے اور شکوک وشبہات کی بھول بھلیوں میں سرگشتہ رہنے سے خود کو بچا سکے۔

(۱) خاتم النبیین حضور سید عالم ﷺ کی سیرت وسوانح کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں علامہ ابن اسحاق کی سیرت کو سب

مدیر اعلیٰ ماہ نامہ سنی دعوتِ اسلامی، ممبئی taufiqahsan92@gmail.com

سے قدیم اور مستند و معتبر مانا جاتا ہے جس کی تلخیص علامہ ابو محمد عبد الملک بن محمد بن ہشام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۲۱۳ھ) نے "السیرۃ النبویۃ" (سیرت ابن ہشام) کے نام کی ہے۔ سیرت ابن اسحاق نایاب ہے اور سیرت ابن ہشام ہی مشہور و متداول ہے۔ کئی مترجمین نے اردو زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے اور پھر ان ترجموں کو سامنے رکھ کر کئی حضرات نے اسے مرتب کر کے شائع کرایا ہے۔ میرے سامنے سیرت ابن ہشام کا جو اردو مطبوعہ نسخہ ہے وہ اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی سے شائع ہوا ہے جسے محمد احسان الحق سلیمانی نے مرتب کیا ہے اور پروفیسر رفیع اللہ شہاب نے تعارف لکھا ہے۔ ان کی یہ تحریر ۱۵ دسمبر ۱۹۸۴ء کی ہے۔ ایک جگہ تعارف میں پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

"اس وقت تک اگرچہ سیرت النبی پر بہت سی مستند کتابیں چھپ چکی ہیں جن میں علامہ شبلی کی سیرت النبی سرفہرست ہے لیکن سیرت ابن ہشام کو اس وجہ سے اہمیت حاصل ہے کہ اس موضوع پر سب سے پہلی اور قدیم کتاب ہے۔ بعد میں اس موضوع پر لکھنے والے ہر اہل علم نے اس سے استفادہ کر کے اس فن کو ترقی دی اس لیے کوئی بھی اہل قلم اس سے چشم پوشی نہیں کر سکتا۔"

یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ موصوف کو یہ تسلیم ہے کہ سیرت ابن ہشام سیرت کے موضوع پر سب سے قدیم کتاب ہے اور بعد کے اکثر سیرت نگاروں نے اس کتاب کی مدد سے ہی اپنا کام کیا ہے اور اسی کتاب کے آغاز میں لکھا بھی ہوا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی حیات طیبہ کے متعلق سب سے زیادہ معتبر، سب سے زیادہ مستند اور سب سے زیادہ قدیم تالیف "سیرت ابن ہشام" ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اعتبار و صحت کے بلند مقام کو پہنچی ہوئی ہے، قدیم ہے اس لیے سب سے زیادہ مستند اور لائق اعتبار و اعتماد ہے لیکن بعد کے جملوں میں پروفیسر رفیع اللہ شہاب نام نہاد جدید سیرت نگاروں اور محققین کے علمی و قلمی استرے سے قدیم اور مستند تحقیق کو ذبح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تاہم اس کتاب میں درج شدہ چند واقعات بعد کی علمی تحقیق کے نتیجے میں قابل قبول نہ رہے۔"

اس کے بعد پروفیسر موصوف نے سیرت ابن ہشام صفحہ ۸۹ اور ۹۶ سے دو واقعہ درج کر کے جدید تحقیق کی رو سے اس کو غلط قرار دیا ہے اور اس کے لیے شبلی نعمانی کی کتاب سیرت النبی جلد اول طبع چہارم ص: ۱۷۹، ۱۸۰ کا حوالہ دیا ہے۔ پہلا واقعہ حضور ﷺ کی تاریخ ولادت ۱۲ ربیع الاول سے متعلق ہے اور صحیح تاریخ ۹ ربیع الاول کو قرار دیا ہے اور دوسرا واقعہ سفر شام میں حضور ﷺ کی شام کے سرحدی شہر بصرہ کے ایک عیسائی راہب بحیرا کی ملاقات سے متعلق ہے۔ شبلی نعمانی کی علمی تحقیق کا سہارا لے کر اس واقعے کو بھی غلط ثابت کیا ہے۔ جب کہ شبلی نعمانی کی سیرت النبی میں جدید تحقیق و تدوین کے نام پر جو علمی خیانتیں روا رکھی گئی ہیں اور جس طرح کمال صفائی سے مستند اور ثابت شدہ معجزات رسول ﷺ کو جھٹلایا گیا ہے وہ دنیا پر عیاں ہو چکا ہے اور جو حقیقت حال سے ناواقف ہیں وہ استاذ گرامی مولانا محمد احمد مصباحی کی کتاب "تنقید معجزات کا علمی محاسبہ" کا مطالعہ ضرور کر لیں۔ جس کا تازہ ایڈیشن حال ہی میں النوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی، لاہور (پاکستان) سے شائع ہوا ہے۔

شبلی نعمانی جیسے نام نہاد مؤرخ اور سیرت نگار کی غیر ثقاہت کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ ولادت شریف کی تاریخ سے متعلق جتنے اقوال ہیں (دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ اور بائیس) ان میں نو کا وجود ہی نہیں ہے۔ امام احمد رضا قادری قدس سرہ لکھتے ہیں:

"شرع مطہر میں مشہور بین الجمہور ہونے کے لیے وقعت عظیم ہے اور مشہور عند الجمہور ہی ۱۲ ربیع الاول ہے اور علم ہیئات و زیجات کے حساب سے روز ولادت شریف ۸ ربیع الاول ہے۔ کما حققناہ فی فتاوانا۔ یہ جو شبلی وغیرہ نے ۹ ربیع الاول لکھی، کسی حساب سے صحیح نہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ مترجم، مطبوعہ گجرات، ص: ۴۲۷، ج ۱۶، مارچ ۲۰۰۶ء)

ان دونوں واقعات کے سلسلے میں سعودی حکومت کی نوازشات سے سرفراز کی جانے والی اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے زیر اہتمام منعقدہ سیرت نگاری کے عالمی مقابلے میں اول انعام کی مستحق قرار دی جانے والی جامعہ سلفیہ بنارس کے استاذ مولانا صفی الرحمن مبارک پوری کی کتاب "الرحیق المختوم" بھی شبلی نعمانی کی ہی خوشہ چینی کر رہی ہے جس میں تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول تحریر ہے اور بحیرا راہب سے ملاقات کی استنادی حیثیت کو مشکوک قرار دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ کریں: الرحیق المختوم، مطبوعہ المجلس العلمی، حسین آباد، مبارک پور، اپریل ۱۹۸۸ء، ص ۸۳، ۸۹)

قارئین اگر شبلی نعمانی اور ان کی کتاب "سیرت النبی" کی علمی و تاریخی ثقاہت و استناد کو جاننا چاہتے ہیں تو دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی کا یہ شدید رد عمل ملاحظہ کر لیں۔ الافاضات الیومیہ میں ہے:

"ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں (اشرف علی تھانوی نے) فرمایا کہ فلاں صاحب نعمانی یہ بھی سرسید احمد خان کے قدم

بقدم ہی ہیں۔ سیرت نبوی لکھی ہے جس پر آج کل کے نیچری فریفتہ ہیں۔ حضور ﷺ کی دو شانیں ہیں، نبوت، سلطنت۔ ان میں سے صرف ایک شان سلطنت کو ان لوگوں نے لیا، اسی کو شبلی نے بھی لیا ہے۔ دوسری شان کو قریب قریب چھوڑ دیا۔ یہ لوگ اسی کو بڑا کمال سمجھتے ہیں حالاں کہ اصل شان نبوت ہے، ملکیت اس کی تابع ہے مگر اس کا کہیں نام ونشان نہیں۔ یہ سب نیچریت کا اثر ہے، ان لوگوں کے قلوب میں نہ دین ہے نہ کسی کی دینی عظمت۔ خود انبیا علیہم السلام کی نہیں، اولیا کی تو کیا ہوتی؟"

(الافاضات الیومیہ: ص ۳۳۷، ج ۶، مطبوعہ لاہور)

شبلی نعمانی نے معراج جسمانی کا انکار کیا ہے آگے مولوی اشرف علی تھانوی نے اس کا بھی جواب دیا ہے اور تفصیلات بیان کرتے ہوئے اخیر میں لکھا ہے کہ "یہ سب قلوب میں دین نہ ہونے کے آثار ہیں۔ اللہ بچائے بد دینی اور جہل سے۔ یہ دونوں بری بلائیں ہیں۔" (حوالہ سابق: ص ۳۳۹، ج ۶)

یہی نہیں بلکہ مولوی اشرف علی تھانوی نے شبلی نعمانی اور مولانا حمید الدین فراہی پر فتویٰ کفر بھی جاری کیا تھا۔ (ملاحظہ کریں: حکیم الامت از: مولانا عبد الماجد دریابادی، ص ۴۱۸، مطبوعہ لاہور)

(۲) حضور ﷺ کو روز اول سے ہی یقینی طور پر یہ معلوم تھا کہ میں اللہ عزوجل کا آخری نبی و رسول ہوں بلکہ علمی و ایمانی تحقیق کہتی ہے کہ آپ اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ البتہ چالیس سالہ حیات مبارکہ کی تکمیل پر اللہ عزوجل نے آپ کو اعلان نبوت و اظہار رسالت کا حکم فرمایا۔ آپ کی پوری حیاتِ طیبہ میں کہیں بھی کوئی لمحہ ہمیں نظر نہیں آتا کہ آپ اپنی نبوت و رسالت سے متعلق کسی شک و تردد یا غیر یقینی خیالات کا شکار ہوئے ہوں، لیکن الرحیق المختوم کے مصنف مولوی صفی الرحمن مبارک پوری ان تمام حقیقتوں میں اپنی خود ساختہ تحقیق کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ (ص: ۱۰۲) وہ آغاز وحی کے مہینے، دن اور تاریخ پر تو خوب بحث کرتے ہیں (ص ۱۰۳) لیکن انقطاع وحی کے زمانے میں حضور ﷺ پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی صحیح بخاری کتاب التعبیر میں موجود امام زہری کی روایت کردہ مرسل حدیث اور امام بخاری کے بلاغ کو بہ طور دلیل پیش کرتے ہیں، جس حدیث سے شہ پاکر بد مذہبوں نے حضور سید عالم ﷺ پر خودکشی کا الزام عائد کیا ہے۔ لیکن دعویٰ ایمانی انہیں مجبور نہیں کرتا کہ وہ اس روایت کی تہ میں پہنچ کر اپنے رسول کو اس اتہام والزام سے چھٹکارا دلائیں بلکہ آگے اس طرح کے جملے بھی ان کے قلم سے نکلے ہیں:

"اور نبی ﷺ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ آپ خدائے بزرگ و برتر کے نبی ہو چکے ہیں۔" (الرحیق المختوم: ص ۱۰۷)

اسی طرح گزشتہ برس تعلقہ کھیڑ ضلع رتناگیری (مہاراشٹر) کے کرجی نامی قصبہ کے ہائی اسکول میں فیروس فاؤنڈیشن کی طرف سے مقرر کردہ شعبۂ دینیات کے غیر مقلد عالم نے سیرت النبی ﷺ پر گفتگو کرتے وقت دورانِ تقریر یہ شوشہ چھوڑا کہ نبی ﷺ نے انقطاعِ وحی کے زمانے میں متعدّد مرتبہ خودکشی کرنے کی کوشش کی۔ (نعوذ باللہ مِن ذٰلک)

راقم الحروف اپنے قارئین سے پوچھنا چاہتا ہے کہ کیا آپ کی غیرت ایمانی اس الزام خودکشی کو برداشت کر سکتی ہے؟ بخاری کی اس ایک روایت کی کوکھ سے جنم لینے والے اس شبہے کا کوئی جواب ان حضرات کے پاس کیوں نہیں ہے؟ اپنے نبی پر الزام خودکشی رکھا جا سکتا ہے لیکن اس روایت کے راوی اور اس روایت کی استنادی حیثیت پر شک بھی نہیں کیا جا سکتا؟ اللہ عزوجل فضل فرمائے تحریک برکات امام شافعی کوکن کے صدر مولانا سید رضوان رفاعی شافعی پر کہ ان کی تحریک پر جواں سال قلم کار و محقق مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی نے گزشتہ برس ہی اس موضوع پر "مصطفی جان رحمت ﷺ پر الزام خودکشی: کیا غلط کیا صحیح؟" کے نام سے ۲۷ صفحات پر مشتمل ایک علمی و تحقیقی کتاب ہی تحریر کر دی اور بخاری کی اس روایت کا بھرپور علمی محاسبہ اور تحقیقی تجزیہ کیا ہے۔ قارئین اس کتاب کا ضرور مطالعہ کر لیں۔

(۳) اپریل اور مئی ۲۰۱۴ء کے اداریے میں ہم نے اٹھارہ صفحات میں بھرپور دلائل و شواہد سے اس بات کو ثابت کیا تھا کہ حضور ﷺ اول بھی ہیں آخر بھی ہیں، اول المخلوقات بھی ہیں اور افضل الانبیا بھی، وجہِ تخلیقِ کائنات بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی۔ ساتھ ہی اللہ عزوجل نے آپ کو بے مثل و بے مثال بنایا ہے۔ اپنی ذات و صفات و معجزات و کمالات میں آپ یکتا ہیں، آپ جیسا نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا بلکہ آپ ہی کی شان محبوبی دکھانے کے لیے ہنگامہ محشر بپا ہوگا۔ یہ ساری باتیں مسلمات سے ہیں لیکن اس کے لیے جس نے حقائق و شواہد کا گہرا مطالعہ کیا ہو اور قرآن و حدیث کے رموز و انکشافات سے کما حقہ واقفیت رکھتا ہو اور ان موضوعات پر وہی شخص لکھنے اور بولنے کا استحقاق رکھتا ہے جو اس کا اہل ہو اور بصیرت و بصارت جیسی خصوصیات کا حامل ہو۔

اردو زبان کے مشہور و ممتاز ناقد پروفیسر کلیم الدین احمد کی ادبی و تنقیدی حیثیت کا ادبی دنیا لوہا مانتی ہے، جو اصناف ادب پر اپنے چند تنقیدی متون کی بنیاد پر کافی بدنام رہ چکے ہیں اور غزل کو نیم وحشی صنف سخن قرار دینے کی بنیاد پر ان کے خلاف محاذ آرائی اور ایوان تنقید وادب میں دھما چوکڑی کا مظاہرہ کیا جا چکا ہے۔ مختلف علوم وفنون پر ان کی گہری گرفت کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن قرآن واحادیث کا مطالعہ بالکل سطحی اور سرسری درجے کا ہے اور ایسے ناقدین کو مذہبی امور پر اظہار خیال کرنے کی بالکلیہ آزادی واختیار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن انہوں نے نہ صرف اظہار رائے کیا ہے بلکہ حکم بھی سنایا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب "اقبال ایک مطالعہ" میں اقبال کی غزلوں کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ ومحاسبہ کیا ہے اور ان کے اشعار کو تین زمروں میں تقسیم کرکے تیسرے حصے میں کچھ نمائندہ اشعار نقل کیے ہیں، جن میں ایک شعر یہ بھی ہے:

نگاہ عشق ومستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

اس کے بعد لکھا ہے: "رہا تیسرا حصہ تو وہ ORTHODOX مسلمانوں کی نظر میں QUESTIONABLE نہیں بلکہ کفر ہے۔ وہ نگاہِ عشق ومستی میں ہو یا نگاہِ باخبر میں پیغمبر اسلام کو وہی اول وہی آخر، وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ کہنا درست نہیں۔ جب کہ "ھو الاول والاٰخر والظاھر والباطن" خدا کے لیے آیا ہے اور ہمیشہ پیغمبر اسلام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ "انا بشر مثلکم" الخ۔

(اقبال ایک مطالعہ: ص۱۷۹، ۱۸۰)

پروفیسر کلیم الدین احمد کے اس ریمارک کو قارئین کیا کہیں گے؟ اول وآخر کی بحث سے قطع نظر اسی قرآن میں اللہ عزوجل کے لیے "رؤف رحیم" کی صفات کا تذکرہ ملتا ہے اور پیغمبر اسلام ﷺ کے لیے بھی وہی الفاظ ملتے ہیں۔ (ملاحظہ کریں: سورۂ توبہ: آیت ۲۸)

اللہ عزوجل کے لیے اول وآخر اور ظاہر وباطن صفاتِ ذاتیہ میں سے ہیں اور حضور ﷺ کے اول وآخر ہونے کا معنی کچھ اور ہے۔ پروفیسر موصوف کا آخری جملہ بھی انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ قرآن مجید میں صرف ایک جگہ حضور ﷺ سے مصلحت کے پیش نظر "انما انا بشر مثلکم" کا جملہ کہلوایا گیا ہے اور وہ بھی مشرکین وکفار مکہ سے کہ میں ظاہری شکل وصورت میں تم جیسا ہوں، میری کرامات ومعجزات کو دیکھ کر تم مجھ پر خدا ہونے کا الزام نہ رکھو۔ میں جسم اور شکل وصورت رکھتا ہوں اور اللہ ان سب ممکن صفات سے پاک ومنزہ ہے۔

قارئین کرام! پروفیسر موصوف کے اسی جملے میں لفظ "ہمیشہ" پر غور کرلیں کیا یہ اپنی بات میں بلاوجہ کاوزن پیدا کرنے اور اس پورے جملے کے مضمون کو زبردستی دماغ کے شیش محل پر دے مارنے کی جراءت مندانہ کوشش نہیں ہے؟ کیا انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ حضور ﷺ نے متعدّد مقامات پر "ایکم مثلی" (تم میں کا کون میری طرح ہے؟۔ بخاری :ص۳۶۳ ج۱)۔ "انکم لستم مثلی" (بے شک تم میری طرح نہیں ہو۔ مسلم: ص۵۲ ج۳) اور "انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر" (صحیح مسلم: ص۱۱۳ ج۱) ارشاد فرمایا ہے۔

ان کے علاوہ قرآن عظیم میں اللہ عزوجل نے اپنے رسول ﷺ کو جن جن صفاتی ناموں سے خطاب فرمایا ہے اور ان کے القابات ذکر کیے گئے ہیں جیسے یٰسین وطٰہٰ، رحمۃ للعالمین، بشیر ونذیر، سراجاً منیراً، مزمل ومدثر، اول المسلمین، وخاتم النبیین وغیرہا انہیں آپ کس خانے میں فٹ کریں گے؟

(۴) امام غزالی علیہ الرحمۃ کا نام نامی علمی تصنیفات وتحریرات کی دنیا میں کافی شہرت رکھتا ہے۔ آپ کے سوانح نگاروں نے بالدلائل یہ ثابت کیا ہے کہ وہ شافعی المسلک اور اشعری المعتقد تھے اور اپنے طرز بیان میں انہوں نے اپنے اسلاف کی پیروی کی ہے۔ اس موضوع پر خانقاہ عارفیہ سید سراواں الہ آباد سے نکلنے والے مشہور جریدے کتابی سلسلہ "الاحسان" شمارہ اول اپریل ۲۰۱۰ء میں شائع شدہ امام غزالی پر خصوصی گوشہ اپنے مطالعے میں رکھ کر حقائق تک پہنچا جا سکتا ہے۔ لیکن برا ہو غیر مقلدین زمانہ کی بے جا جراءت اور بے خوفی کا کہ ایسی جلیل القدر شخصیات کو یہ لوگ زبردستی اپنے خود ساختہ نظریات کا حامل قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم خاموش تماشائی ان کی اس حرکت کو تکتے رہتے ہیں۔ ملاحظہ کریں:

امام غزالی نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "احیاء علوم الدین" کی تلخیص "المرشد الامین" کے نام سے تحریر فرمائی تھی، جس کا اردو ترجمہ ۲۰۰۶ء میں الحسنات بکس پرائیویٹ لمیٹیڈ، نئی دہلی سے ۲۹۶ صفحات پر مشتمل مجلد شائع ہوا ہے۔ مترجم کا نام مذکور نہیں ہے لیکن آغاز کتاب میں فہرست کے بعد "تعارف امام غزالی" کے عنوان سے ساڑھے پندرہ صفحے کی ایک تحریر ناشر نے شامل کتاب کی ہے جس میں امام غزالی

کی حیات اور علمی وقلمی خدمات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اسی تحریر میں ایک جگہ "امام غزالی کا مسلک" کے ذیلی عنوان سے یہ لکھا گیا ہے:

"امام غزالی کا کوئی خاص مسلک نہیں تھا اور کوئی ایسا شخص جس کو کتاب وسنت پر عبور حاصل ہو اور اس سے براہ راست اخذ واستفادہ کرسکتا ہو اس کے لیے کسی خاص مسلک کی پیروی بھی ضروری نہیں۔ امام غزالی کا بھی یہی حال تھا کیوں کہ وہ خود اسرار ورموز شریعت کے آشنا اور علوم دینیہ کے ماہر تھے، تاہم ان کے بعض سوانح نگاروں نے بڑی محنت اور جستجو کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان کا عمل فقہ شوافع کے مطابق تھا اور وہ اس بنیاد پر کہ احیاء العلوم میں آمین بالجہر اور نماز فجر میں قنوت نازلہ جیسے مسائل کا ذکر کیا ہے جو کہ ہیں تو سنت رسول اور سنت صحابہ میں داخل مگر اتفاق سے ان مسائل کو فقہ شوافع میں بھی جگہ مل گئی ہے۔" (المرشد الامین: ص ۲۳، مطبوعہ نئی دہلی ۲۰۰۶ء)

قارئین! قلم کار کے آخری جملے پر آپ دوبارہ غور کریں، ان کے بین السطور سے کیا فکر جھانک رہی ہے؟ اس الزام اور قلمی خیانت کی بزرگ قلم کار حضرت مولانا عبد المبین نعمانی چریاکوٹی نے ایک نجی ملاقات میں راقم سے نشان دہی کی تھی۔

(۵) "نعت" یک موضوعی صنف سخن ہے اور نعت گوئی انتہائی محتاط طرز عمل، شریعت کی مکمل رعایت، ادب وتعظیم اور ادبی خصوصیات کی متقاضی ہے، ساتھ ہی عشق ومحبت کے جذبۂ صادق کی آئینہ دار ہوتی ہے، فکری نازکی اور علمی نزاکتوں کے استعمال کے بغیر اچھی نعت نہیں کہی جاسکتی۔ بہ قول امام احمد رضا بریلوی: "نعت گوئی تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔" ایک اچھی اور کامیاب نعت لکھنے میں شاعر مختلف آزمائشوں سے گزرتا ہے، حدود شرعی کی رعایت، عابد ومعبود میں فرق کا لحاظ کرتے ہوئے مؤدب ہوکر شفاف لفظیات کا انتخاب ایک دشوار گزار مرحلہ ہوتا ہے۔ نعت میں جتنی پاکیزگی، تقدس اور شیرینی ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ اتنی ہی نازک بھی ہوتی ہے جس میں ذرا سی بے احتیاطی وبے ادبی یا سوقیانہ الفاظ کا استعمال انتہائی ضرر رساں ہے۔ مثلاً یہ شعر:

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

صریحًا شرع کی مخالفت ہے یہ فکر قطعی طور پر اللہ عزوجل کی عظمت وبرتری سے فروتر ہے، جس کی کسی طرح اجازت نہیں دی جاسکتی، لیکن اس شعر کو جماعت اہل سنت کے کسی شاعر کی جانب منسوب کرکے فتنہ پروری کی فضا تیار کرنا بھی کسی طرح مناسب نہیں۔ پوری جماعت اہل سنت کل بھی اس مضمون سے براءت وبیزاری کا اظہار کرتی تھی اور آج بھی کرتی ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں قلم کار حضرات بڑی فراخ دلی سے اس شعر کے انتساب میں خود کو حق بہ جانب قرار دیتے ہیں۔ اس غلط انتساب اور الزام کی ایک مثال سہ ماہی اردو بک ریویو دہلی میں شائع شدہ محمد اشفاق حسین کی فتنہ پرور کتاب "گمراہ فرقہ کون: وہابی یا بریلوی؟" پر ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی کے جانب دارانہ اور مشفقانہ تبصرے میں نظر آئی، جس میں بہت ساری باتوں کے علاوہ اخیر میں کتاب کی سراہنا کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ "بلاشبہ شرک وبدعت پر مبنی بریلوی شریعت کے لیے یہ رسالہ بڑا ہی فکر انگیز اور ایمان افروز ہے" اس کے بعد انہوں نے درج بالا شعر پیش کرکے بریلوی جماعت پر گہرا طنز کیا ہے۔

(سہ ماہی اردو بک ریویو دہلی، شمارہ اپریل مئی جون ۲۰۱۱ء)

دوسری مثال الہ آباد سے شائع ہونے والے خبر نامہ شب خون میں چھپے محمد عزیز الحسن صدیقی غازی پوری کے ایک خط کی ہے جس میں مراسلہ نگار نے علامہ عبد العلیم آسی غازی پوری کے مزار کی چار دیواری پر کندہ اشعار پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ: "آپ کے مزار کی چار دیواری پر یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معتقدین ومتوسلین انہیں حاجت روا بھی سمجھتے ہیں۔

یہ جو باب ولا کی چوکھٹ ہے
آسیِ رہ نما کی چوکھٹ ہے
مانگ جو کچھ مراد ہے دل کی
کنزِ حسنِ سخا کی چوکھٹ ہے

بلاشبہ حضرت آسی سکندر پوری بلند پایہ شاعر تھے، ان کے چار دیوان ہیں۔ مولانا عبد الاحد شمشاد لکھنوی فرنگی محلی جیسے بڑے عالم اور شاعر ان کے شاگرد تھے۔ مشہور ہے کہ مرزا غالب جناب آسی کے اشعار سن کر دم بہ خود رہ گئے تھے، مگر ان کے مندرجۂ ذیل اشعار کی کیا توجیہ کی جائے:

وہی جو مستویِ عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفی ہو کر
اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے

جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

(خبر نامہ شب خون الہ آباد: مئی تا جولائی ۲۰۱۱ء ص ۴،۳)

شب خون کے ذمہ دار ایڈیٹر پروفیسر شمس الرحمن فاروقی نے آسی غازی پوری کے مذکورہ بالا دونوں اشعار کا جواب بھی ادارتی نوٹ میں دیا ہے، آپ بھی ملاحظہ کرلیں۔ فاروقی لکھتے ہیں:

''وہی جو مستوی عرش'' والا شعر بہت مشہور ہے اور شاید تھوڑا سا بدنام بھی ہے۔ لیکن قطب عالم نے جناب سید شاہد علی سبز پوش گورکھ پوری سے اس شعر کا مطلب یوں بیان کیا تھا: ''جہلا اس شعر پر اعتراض کریں گے مگر ان کے اعتراض کا جواب مصرع اولیٰ میں موجود ہے یعنی وہ اب بھی مستوی علی العرش ہے۔ اگر مصرع اولیٰ میں ''وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہوکر'' ہوتا تو البتہ ان کا اعتراض خدا کے مجسم ہونے کا صحیح ہوتا۔ وہ تو اب بھی مستوی علی العرش ہے۔ مدینے میں اترنا باعتبارِ نزولِ صفات کے ہے جیسے آفتاب آئینے میں اترتا ہے۔ الی الآن کما کان۔''

میرا خیال ہے اس شرح کے بعد بحث کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ رہا دوسرا شعر تو وہ مجھے آسی کے کلام میں نہیں ملا اور اس کا لب ولہجہ بھی آسی کے شاعرانہ مرتبے سے بہت فروتر ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ کسی کم علم شخص نے مندرجۂ شعر کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ یہ شعر شیخ ابوالحسن خرقانی سے منسوب ہے اور بہ قول بعض یہ دراصل ملابدخشانی کا شعر ہے:

پنجہ در پنجۂ خدا دارم
من چہ پروائے مصطفی دارم

(خبر نامہ شب خون الہ آباد: مئی تا جولائی ۲۰۱۱ء ص ۴)

قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر شمس الرحمن فاروقی نے اس مراسلے پر ادارتی نوٹ نہ لگایا ہوتا تو خط کا پڑھنے والا یہی جانتا کہ پہلے شعر کی طرح دوسرا شعر بھی علامہ آسی سکندر پوری کا ہی ہے اور ان کے پہلے شعر میں بھی ''ہے'' کی جگہ ''تھا'' ہی ہے۔ یہ ہے علمی خیانت کی واضح مثال۔

(۶) ہم نے ماقبل کی سطور میں لکھا کہ نعت گوئی انتہائی دشوار گزار قلمی اقدام ہے جو حد درجہ احتیاط اور شفافیت چاہتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ احتیاط میں غلو ومبالغہ سے کام لیا جائے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔ ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی نے ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی کے مجموعہ نعت ''شعاع نوا'' پر تبصرہ لکھا جس میں صاحبِ مجموعہ کے بہت سارے امتیازات اور ان کے شاعرانہ کمالات کی وضاحت کے بعد ایک انکشاف یہ بھی کیا کہ وہ اپنی نعتیہ شاعری میں لفظ ''عشق'' کا استعمال نہیں کرتے، لکھتے ہیں: ''قرآن اور حدیث میں رسول اکرم ﷺ کی جو صفات مذکور ہیں نعمانی صاحب خود کو انہیں کے بیان میں محدود رکھتے ہیں۔ چوں کہ قرآن اور احادیث میں عشق کا لفظ جس میں دنیوی اغراض پائے جاتے ہیں کہیں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے تئیں محبت کا مطالبہ ہے جس میں ملکوتی صفات بھی پائی جاتی ہے اس لیے دوسرے نعت گو شعرا کی طرح آپ نے عشق کا لفظ کہیں استعمال نہیں فرمایا۔'' (ماہ نامہ کتاب نما: دسمبر ۲۰۱۳ء، ص ۷۹) ڈاکٹر رضاء الرحمن عاکف سنبھلی نے بھی اسی مجموعۂ نعت پر اپنے تبصرے میں اس خصوصیت اور دیگر امتیازات کا تذکرہ کیا ہے۔

(ملاحظہ کریں ماہ نامہ ایوان اردو دہلی: شمارہ اپریل ۲۰۱۴ء، ص ۶۴)

حالاں کہ سچائی یہ ہے کہ اس لفظ کے استعمال میں ذرہ بھر کوئی قباحت یا بے ادبی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ علامہ جامی، شیخ سعدی شیرازی، امیر مینائی، ڈاکٹر محمد اقبال اور امام احمد رضا قادری جیسے بڑے نعت گو شعرا نے حضور ﷺ سے اظہارِ عشق ومحبت میں اس لفظ کو معنی کا تقدس عطا کیا ہے۔ دونوں ڈاکٹر صاحبان کے اطمینان قلب کے مفتی اعظم پاکستان مفتی تقی عثمانی کے ایک مضمون ''نعت رسول اور اس کے آداب'' کا یہ اقتباس پیش خدمت ہے، موصوف لکھتے ہیں:

''عشق حقیقت میں وہی ہے جو اللہ سے اور اس کے رسول سے ہو اور عشقِ رسول ﷺ بھی در حقیقت مخلوق ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس حیثیت سے ہوتا ہے کہ آپ ﷺ خالق تک پہنچنے کا لازمی واسطہ ہیں۔ آپ ﷺ کے بغیر کوئی شخص خالق تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے عشق خداوندی اور عشق رسول ﷺ دونوں لازم وملزوم ہیں، انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں خود ارشاد فرمایا: کہ اگر مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے محبوب رسول ﷺ کی اتباع کرو۔'' اس لیے عشق خداوندی اتباع رسول کی شکل کے بغیر ناممکن ہے۔''

(ماہ نامہ ادراک جدید: ممبئی، ۳، شمارہ جنوری ۲۰۱۴ء، نعت نمبر، ص ۱۲)

اب دیکھنا ہے نام نہاد اہل قرآن اور وسیلے کے منکرین اپنے مفتی اعظم پاکستان پر کیا حکم عائد کرتے ہیں؟ ڈاکٹر صاحبان کو اگر اب بھی سکون میسر نہ آیا ہو تو مولوی قاسم نانوتوی کا ایک شعر ملاحظہ کرلیں جو اسی نعت نمبر کے سرورق کی پشت پر نمایاں انداز میں شائع کیا گیا ہے، لکھتے ہیں:

تو فخرِ کون ومکاں، زبدۂ زمین وزماں
امیرِ لشکرِ پیغمبراں ،شہِ ابرار

اور اسی نعت نمبر کے عقبی ٹائٹل کی پشت پر موجود قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا صرف ایک شعر پڑھ لیں:-

نبیِ اکرم شفیعِ اعظم دکھے دلوں کا پیام لے لو تمام دنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو

بارگاہِ رسالت میں داد رسی کی آس لگائے ”شفیعِ اعظم“ جیسی ترکیب کا سہارا لے کر حالت قیام میں سلام پیش کرنے والے مہتمم دارالعلوم دیوبند پر فتویٰ لگانے کی ہمت کس کس قلم کار میں ہے؟

(۷) ہم نے گزشتہ اوراق میں یہ بھی لکھا ہے کہ ”نعت“ میں ایسے مضامین قطعاً نہ باندھے جائیں جو قرآن وحدیث کے صریحاً خلاف ہوں یا ان میں عبد ومعبود کے فرق کا لحاظ نہ کیا گیا ہو اور ان میں شرک کا شائبہ نظر آتا ہو، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ قطعی اور محکم حقیقت کو بھی احتیاط کی نذر کردیا جائے اور مسلمات کا انکار کرکے انہیں شرک وبدعت کے خانے میں ڈال دیا جائے مثلاً حضور ﷺ کو اللہ عزوجل نے امام الانبیا اور سید الرسل ہونے کی حیثیت سے جہاں بھاری معجزاتِ بینات عطا فرمائے اور ان کے مقام ومرتبے کو فزوں کیا، انہیں معراج جسمانی سے نوازا، وہیں انہیں علوم وفنون کی بیش بہا دولت سے سرفراز فرمایا۔ اس میں علوم ماضیہ بھی داخل ہیں اور علوم غیبیہ بھی۔ قرآن وحدیث کی بے شمار شہادتیں اس مسئلے پر موجود ہیں۔ اردو کی عام لغت میں بھی ”نبی“ کا معنی غیب کی خبریں بتانے والا درج ہے تو اس حقیقت سے انکار کے پہلو تلاش کرنا اور مختلف طریقے سے اسے تنقیدی سان پر چڑھانا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن ایسا ہوتا ہے، حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صحابیہ کے گھر حضور ﷺ کی تشریف آوری پر بچیوں کی زبانی ترنم سے پڑھے جانے والے اشعار اور ایک مصرعہ: وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَافِيْ غَدٍ (اور ہمارے درمیان وہ نبی ہیں جو کل کے حالات سے باخبر ہیں) کے بعد حضور ﷺ کی زبانی منع کردینے کا تذکرہ کرتے ہوئے مفتی تقی عثمانی اپنے اسی مضمون میں لکھتے ہیں:

”یہ مصرع گرچہ معجزے کے طور پر آئندہ کے بارے میں کچھ معلوم ہوجانے کے لحاظ سے درست تھا، لیکن الفاظ عام تھے اور ان سے وہم ہوسکتا تھا کہ آپ کی طرف وہ علم غیب منسوب کیا جارہا ہے جو صرف اللہ ہی کی مخصوص صفت ہے اس لیے آپ ﷺ نے اس مصرعہ کو بھی گوارا نہ کیا اور ان بچیوں کو ٹوکتے ہوئے فرمایا کہ اس مصرع کو نہ پڑھو اور پہلے جو کچھ پڑھ رہی تھیں وہ پڑھو۔“

(ادراک جدید، ممبئی: جنوری ۲۰۱۴ء، نعت نمبر، ص ۱۷)

حالاں کہ ان بچیوں کو منع کرنے کا مقصد کچھ اور تھا اور مصرع مذکورہ میں نہ شرک کا شائبہ ہے نہ ہی اس بات کا وہم ہورہا ہے کہ اللہ عزوجل کا علمِ غیب غلط انتساب کا شکار ہورہا ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو قرآنی آیات: عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ، غیب کا جاننے والا، تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔ (سورۂ جن: آیت ۲۶، ۲۷) ”وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ“ اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ (سورۂ تکویر: آیت ۲۴) اور حضرت خضر علیہ السلام کے تذکرے میں: وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ (سورۂ کہف: آیت ۶۵) نہ فرمایا جاتا۔

ہاں! یہ غلط فہمی انہیں لوگوں کو ہوسکتی ہے جو قرآن فہمی کا بلند بانگ دعویٰ کرنے کے باوجود ادراک وفہم سے اپنی دوری بنائے ہوئے ہیں اور انہیں علمِ ذاتی وعطائی، رحمتِ ذاتی وعطائی اور اختیارِ ذاتی وعطائی کا فرق نہیں معلوم ہے۔ ورنہ: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد طلب کریں) کی موجودگی میں مولوی قاسم نانوتوی کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جو آپ کا جواب ہوگا وہ ہمارا ہوگا۔

اللہ عزوجل رحمن ورحیم ہے اس کے باوجود مولانا محمد اویس قاسمی رام پوری کا یہ شعر کیا معنی رکھتا ہے؟

اس رحمتِ عالم کی رحمت کا نہ کچھ پوچھو دنیا میں بھی کام آئی عقبیٰ میں بھی کام آئے

اور مثنوی مولانا جامی علیہ الرحمہ کا پہلا شعر اور مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفۂ مجاز مولانا اسعد اللہ کا یہ ترجمہ کیا حقیقت رکھتا ہے:

زمہجوری برآمد جانِ عالم ترحم یا نبی اللہ ترحم

(ترجمہ) آپ کے فراق سے کائنات عالم کا ذرہ ذرہ جاں بلب ہے اور دم توڑ رہا ہے۔ اے رسول خدا! نگاہ کرم فرمائیے، اے ختم المرسلین! رحم فرمائیے! (ادراک جدید، ممبئی: جنوری ۲۰۱۴ء، ص ۳۶، ۳۹)

(۸) یہی سچ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کی زیارت اور ان پر ایمان وتصدیق کی بدولت جماعت صحابہ کو مرتبۂ صحابیت حاصل ہوا اور اب قیامت تک کوئی ان کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح یہ بھی سچ ہے

کہ جس طرح حضور ﷺ کے ظاہری حیات طیبہ میں آپ لوگوں کے ہر غم کا مداوا کیا کرتے تھے، وصال ظاہری کے بعد یہ برکت وشفایابی آپ کی قبر انور اور روضۂ اقدس کی زیارت سے حاصل ہوتی ہے بلکہ قرآن تو یہاں تک کہتا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (سورۂ نساء: آیت ۶۴)

اور آقا ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا: من زار قبری وجبت لہ شفاعتی جس نے میرے قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت لازم ہوگئی۔ (دار قطنی: ص ۲۷۸ج ۲) اور ”من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی۔ جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے مجھ پر جفا کی۔ (جامع الاحادیث للسیوطی: حدیث: ۲۱۹۹۷)

یہی وجہ ہے کہ ابتداے زمانۂ صحابہ سے اب تک اکثر نعت گو شعرا نے زیارت روضۂ رسول اور قبر شریف کی آرزو وچاہت پر مبنی نعتیہ اشعار کہے ہیں۔ خود مثنوی مولانا جامی کا مطالعہ ہماری بات کی تصدیق کے لیے کافی ہے اور ذرا دیکھیں مولوی قاسم نانوتوی صاحب کیا آرزو کر رہے ہیں:

اڑا کے باد مری مشتِ خاک کو پسِ مرگ
کرے حضور کے روضے کے آس پاس نثار

ان حقائق کے باوجود ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے؟

”ناچیز کو اس بات نے ہمیشہ خلجان میں مبتلا رکھا ہے کہ لوگ روضۂ اطہر کی زیارت کے قصد سے مدینہ طیبہ کا سفر کرتے ہیں اور دعویِ حب رسول کے بطور (جسے غلط طور پر عشق رسول میں تبدیل کر دیا گیا ہے) دل میں اس کی خواہش رکھتے ہیں لیکن جب صحیح احادیث کی رو سے مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کا ثواب عام مسجدوں کے مقابلہ میں دس ہزار گنا زیادہ ہے اور مسجد نبوی ان تین مساجد میں سے ایک ہے جہاں کا سفر زیارت کی غرض سے جائز رکھا گیا ہے تو ایسی صورت میں کیا اس حدیث کے مبنی کو ثانوی حیثیت نہیں دے دی گئی ہے؟ سوال یہ ہے کہ زیارت مسجد نبوی یا زیارت روضۂ رسول میں اصل کیا اور تبع کیا ہے؟ ناچیز کو خلجان ہے کہ روضۂ رسول کی زیارت تو زیارت مسجد نبوی کی وجہ سے از خود حاصل ہوجاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام ہے تو اس ترجیح کو معکوس کر دینا کیا مقصد شریعت کے خلاف نہیں ہے؟

(ماہ نامہ کتاب نما، دہلی: دسمبر ۲۰۱۳ء ص ۸۰)

ڈاکٹر موصوف کے اطمینان قلب کے لیے صرف ایک سند انھیں کے گھر سے پیش کر دیتے ہیں۔ دیوبندی جماعت کے مشہور عالم مولانا انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: وھو الحق عندی فان آلاف الالوف من السلف کانوا یشدون رحالھم لزیارۃ النبی ﷺ یزعمونھا من اعظم القربات وتجرید نیاتھم انھا کانت للمجسد دون الروضۃ المبارکۃ باطل بل کانوا ینوون زیارۃ قبر النبی ﷺ قطعاً (فیض الباری: ص ۴۳۳، ج ۲)

امام قاضی عیاض مالکی علیہ السلام فرماتے ہیں: زیارۃ قبرہ ﷺ سنۃ من سنن المسلمین، مجمع علیھا وفضیلۃ مرغب فیھا (شفا شریف: ص ۴۷، ج ۲)

مزید تفصیل کے لیے مولانا کوثر امام قادری کا مبسوط مقالہ ”زیارت جلوہ گاہ مصطفیٰ“، مشمولہ شش ماہی پیغام نور العین“، کچھوچھہ شریف نومبر ۲۰۱۳ء تا اپریل ۲۰۱۴ء، ص ۱۱ تا ۱۸، پڑھا جاسکتا ہے۔

قارئین کرام! ہم نے زندہ حوالوں کی روشنی میں چند قلم کاروں کی علمی خیانتوں اور ادبی فتنہ انگیزیوں کا پردہ چاک کیا ہے جو اپنے چہرے اور قلم پر کیچڑ کو صاف کرنے کی جسارت نہیں کرتے محض آئینے کو رگڑتے ہیں، اسے گھس گھس کر بد نما بنانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کا کریہ چہرہ صاف نظر آئے۔ اس لیے ہم نے ان کے ساتھ دوسروں کو بھی آئینہ دکھایا ہے اور اگر ایسا کرنا بھی جرم ہے تو ہم جیسے سیکڑوں آئینہ دکھانے والوں کو جو بھی سزا دی جائے ہمیں منظور ہے، اسے نہ مناظرہ کہا جائے نہ مسلکی شدت کا بے محابا اظہار، جیسا کہ معروف صحافی وقلم کار سہیل انجم نے الزام تراشی اور اتہام بازی کی ہے، لکھا ہے کہ ”ملک بھر سے نکلنے والے دینی رسائل کی تعداد دو سو سے زائد ہے، لیکن ان میں سے بیشتر پرچے غیر معیاری ہیں اور ان کا سرکولیشن بھی بہت کم ہے۔ ان پرچوں میں مسلکی شدت بہت زیادہ ہوتی ہے اور کچھ رسالے ایسا لگتا ہے جیسے مناظرہ کر رہے ہوں۔“ (ماہ نامہ اردو دنیا، دہلی: اپریل ۲۰۱۴ء، ص ۱۴)

سہیل انجم سے عرض ہے کہ مذہبی رسالوں کا مطالعہ بعد میں کریں اردو زبان وادب کے نام پر جاری ادبی پرچوں میں شب خون الہ آباد، اثبات ممبئی اور تحریر نو نئی ممبئی کا ہی مطالعہ کر لیں تو اپنا الزام واپس لینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ☆☆☆

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین/سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

نس بندی کرانا کیسا ہے؟

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی اور ہندہ کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے اس کے بعد ہندہ انتقال کر گئی۔ پھر زید نے دوسری شادی زینب سے کی۔ زید زینب سے کہتا ہے کہ تم میرے والدین اور میرے تینوں لڑکوں کی خدمت کرو اور ساتھ ہی ساتھ تمھیں نس بندی بھی کرانا ہے اور زینب سے زیور کا مطالبہ بھی کر رہا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں شریعت کا حکم جاری فرمائیں۔

الجواب

نس بندی کرانا اللہ تعالیٰ کی بنائی چیز کو بگاڑنا ہے جو حرام و شیطانی کام ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ۔

شیطان بولا اور میں ضرور انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بنائی چیز کو بگاڑ ڈالیں گے۔ (قرآن حکیم)

اس لیے زید کا زینب سے نس بندی کرانے کا مطالبہ کرنا اور اس کے لیے اس پر دباؤ ڈالنا حرام و گناہ ہے۔ اس پر فرض ہے کہ اس سے باز آئے اور زینب پر فرض ہے کہ ہرگز ہرگز نس بندی نہ کرائے۔

زید اپنی بیوی زینب سے زیور کا بھی مطالبہ کرتا ہے تو اگر وہ اپنے دیے ہوئے زیور کا مطالبہ کرتا ہے تو اس پر کوئی الزام نہیں اور اگر زینب سے اس کے زیور کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ اسے اپنے قبضہ میں کر لے اور اسے اپنے تصرف میں لائے تو یہ ناجائز و گناہ ہے۔ زید پر لازم ہے کہ اس مطالبہ سے فوراً باز آئے اور توبہ کرے۔

ساتھ ہی زید پر واجب ہے کہ اپنی بیوی زینب کو اپنے ساتھ اچھی طرح رکھے اور اگر اسے اچھی طرح رکھنا منظور نہیں تو طلاق دے کر آزاد کر دے، اسے لٹکی ہوئی نہ رکھے۔ اور اگر نہ تو زید زینب کو اپنے ساتھ اچھی طرح رکھے اور نہ ہی طلاق دے کر آزاد کرے تو برادری کے لوگ اسے سمجھا بجھا کر دونوں میں سے ایک کے اختیار کرنے پر تیار کریں۔ تیار ہو جائے تو ٹھیک، ورنہ اسے برادری سے الگ کر کے اس کا بائیکاٹ کر دیں تاکہ زینب کی زندگی مصیبت و پریشانی میں نہ رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

زانیہ عورت سے نکاح کا حکم

زید اور عمرو دونوں بھائی ہیں، زید کی شادی ہندہ سے ہوئی اور اس سے دو بچے بھی ہوئے، اس کے بعد ہندہ عمرو کے ساتھ بھاگ گئی اور تقریباً چار پانچ ماہ عمرو کے ساتھ رہی اس کے بعد زید نے اپنی بیوی یعنی ہندہ کو طلاق دی اور اس کے چار ماہ بعد شرعی طریقہ پر ہندہ کی شادی عمرو سے ہوئی لیکن وہ چاروں ماہ عمرو کے ساتھ تھی، آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور لڑکی کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب

مستفتی نے زبانی بتایا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد ہندہ کو چار بار حیض آئے، اس کے بعد اس کا نکاح عمرو کے ساتھ ہوا۔ اس صورت میں یہ نکاح صحیح ہے۔ زنا کے پانی کا کوئی احترام نہیں، اس لیے ہندہ اگرچہ عدت کے زمانے میں عمرو کے ساتھ رہی ہے مگر اس کا اثر عدت اور پھر نکاح پر نہ پڑے گا۔ فقہا فرماتے ہیں کہ کوئی عورت زنا سے حاملہ ہو تو اس کا نکاح زانی، غیر زانی سب سے صحیح ہے اور خود زانی سے نکاح ہو تو وہ وطی بھی کر سکتا ہے۔ در مختار میں ہے: صح نکاح حبلیٰ من زنا۔ تو جو عورت حمل سے نہ ہو اس کا نکاح اس کے آشنا کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ صحیح ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بینک سے ملی زائد رقم مسجد میں لگانا کیسا ہے؟

میری بستی میں مسجد تعمیر کرنے کے لیے چندہ ہوا، روپیہ کو لوگوں کے مشورہ سے بینک میں رکھ دیا گیا، تقریباً ۲/ سال وہ رقم بینک میں رکھی رہی، جب تعمیری کام شروع ہوا تو وہ رقم نکالی گئی تو اس میں تقریباً گیارہ ہزار سے زیادہ روپیہ بیاج کا ملا ہے، کیا وہ زیادہ رقم جو بینک سے بیاج کی شکل میں ملی ہے اس کو مسجد میں لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر لگایا جا سکتا ہے تو قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

صدر شعبہ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

الجواب

بیاج وسود تو حرام قطعی ہے، نہ اسے لینا جائز ہے، نہ اسے اپنے یا مسجد کے کام میں لانا جائز۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" لیکن حکومت ہند کے بینکوں میں روپے جمع کرنے پر جو زیادہ رقم ملتی ہے وہ بیاج یا سود نہیں، بلکہ ایک مباح مال ہے جو مالک کی رضا سے مل رہا ہے، حکومت ہند ایک سیکولر حکومت ہے، اس کا کوئی مذہب نہیں، نہ یہ کسی مذہب کی پابند، اور اس کے اپنے دستور کے مطابق قرض لے کر زیادہ دینا مناسب عمل ہے، اس لیے اس کے مال میں سود کا تحقق نہ ہوگا کہ سود کی حرمت تو اسلام کا قانون ہے، اور وہ اسلام کی پابند نہیں۔ لہٰذا مسجد کے روپے بینک میں جمع کرنے پر جو گیارہ ہزار یا زائد روپے فاضل ملے وہ مسجد کی ملک ہیں اور ان کو مسجد میں لگانا جائز و درست ہے، تحقیق و تفصیل کے لیے میری کتاب "اسلام اور جدید بینک کاری" کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دسہرہ اور دیوالی پر مسجد کو سجانے کا حکم

مندر اور مسجد بغل میں ہی ہے، ہندوؤں نے دسہرہ کے موقع پر مندر سجائی تو مسجد کمیٹی والوں نے مسجد بھی سجائی کمیٹی والوں سے اس موقع پر مسجد سجانے کی وجہ دریافت کی گئی تو انھوں نے کہا ہمیں خوشی ہے اس لیے ہم نے سجائی ہے۔ تو ایسی صورت میں کمیٹی والوں پر کیا حکمِ شرع نافذ ہوتا ہے؟ نیز غیر مسلموں کی خوشی کے لیے اگر مسجد سجائی گئی ہے تو اس صورت میں سجانے والے کا کیا حکم ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب

دسہرہ اور دیوالی کے موقع سے مسلمان اپنے گھر یا مسجد، مدرسے نہیں سجائیں کہ اس میں غیر مسلمانوں سے تشبیہ ہے جو ناجائز و گناہ ہے اور بعض صورتوں میں کفر بھی۔ ایسے عرف اور ماحول میں کمیٹی والوں کا دسہرہ کے موقع سے مسجد کو سجانا ضرور طریق مسلمین سے انحراف ہے، پھر دریافت کرنے پر یہ کہنا کہ "ہمیں خوشی ہے اس لیے ہم نے سجائی ہے" اس بات کا اظہار ہے کہ انھوں نے دسہرے کی خوشی میں ایسا کیا، کیوں کہ اس وقت یہی ایک خوشی کا موقع ہے، پھر غیر مسلموں سے تشبہ بھی ہے، اب اگر واقعی انھوں نے دسہرے کی خوشی میں ایسا کیا ہے تو ان پر حکمِ کفر ہے اور ان کے لیے توبہ و تجدیدِ ایمان و تجدیدِ نکاح کا حکم ہے۔ بہار شریعت میں ہے:

"ان کے تہواروں کے دن محض اس وجہ سے چیزیں خریدنا کہ کفار کا تہوار ہے، یہ بھی کفر ہے، جیسے دیوالی میں کھلونے اور مٹھائیاں خریدی جاتی ہیں، کہ آج خریدنا دیوالی منانے کے سوا کچھ نہیں، یوں ہی کوئی چیز خرید کر اس روز مشرکین کے پاس ہدیہ کرنا جب کہ مقصود اس دن کی تعظیم ہو تو کفر ہے۔ اھ" (ص:۲/۱۷۱، حصہ نہم، مرتد کا بیان)

بحر الرائق میں ہے: وكذا يكفر ..... بخروجه إلى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلون فى ذلك اليوم و بشرائه يوم النيروز شيئًا لم يكن يشتريه قبل ذلك تعظيما للنيروز لا للاكل والشرب و باهدائه ذلك اليوم للمشركين ولو بيضة تعظيما لذلك اليوم، لاباجابة دعوة مجوسى حلق رأس ولده و بتحسين أمر الكفار اتفاقا. (البحر الرائق، ١٢٣/ ٥، باب أحكام المرتدين) واللہ تعالیٰ اعلم۔

سونے کی صلیب بنانا اور بیچنا کیسا ہے؟

کچھ بلاد میں مسلمان سونے کی صلیب بناتے اور بیچتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے اور بچیں تو بہتر ہے۔ صلیب کی شکل (+) اصنام کی طرح کسی جان دار کی شکل نہیں، نہ وہ خود معصیت جیسا کہ ظاہر ہے۔ نہ اس کے ساتھ معصیت قائم جیسا کہ ڈھول اور ہارمونیم وغیرہ باجوں کے ساتھ ہے۔ ہاں نصاریٰ اس کی پرستش کرتے ہیں مگر یہ ان کا ایسا فعل ہے جو شرک ہے اور یہ شرک انھیں کے ساتھ قائم بھی ہے۔ صلیب کی شکل ان کے شرک سے قطعی آلودہ نہیں، جیسے مشرکین سورج، آگ، درخت، پتھر سب کی پوجا کرتے ہیں مگر ان کا شرک سورج، آگ، درخت اور پتھر کو آلودہ نہیں کرتا، لہٰذا ان چیزوں کی صورت بنانا جائز ہے گو وہ صورت سونے، چاندی کی ہو، یوں ہی صلیب کی شکل بنانی بھی جائز ہوگی۔

کراہت اس وجہ سے ہے کہ صلیب کی وضع نصاریٰ نے اپنے عقیدۂ باطلہ کے اظہار اور پرستش کے لیے کی ہے تو صلیب سازی میں یک گونہ ان کا تعاون ہوگا، اگرچہ غیر ارادی طور پر ہی سہی۔ اس کے بر خلاف، سورج، آگ، اور درخت و پتھر وغیرہ کی وضع ایسی کسی معصیت کے لیے نہیں، بلکہ اللہ عزوجل نے انھیں نفعِ عباد کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ مندر سے بھی مشرکین کے عقیدۂ باطلہ کا اظہار ہوتا ہے، مگر وہ اس کی پرستش نہیں کرتے، بلکہ اس میں پرستش کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فکرِ امروز

اسلام اور دہشت گردی

محمد انیس احمد

حقیقت یہ ہے کہ دہشت گردی نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ایک طرف تو اس نے ساری دنیا میں مسلمانوں کی شبیہہ بگاڑی ہے، دوسری طرف ہر جگہ مسلمان جانچ کے دائرے میں آگئے ہیں۔ شک و شبہہ کی بنیاد پر بڑی تعداد میں مسلمانوں کی حراست عمل میں آرہی ہے۔ انھیں برسوں تک جیل میں ٹارچر کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دہشت گردی کی زد میں نوے فی صد سے زیادہ مسلمان ہی آرہے ہیں

اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے دنیا کے سامنے آج کا سب سے بڑا مسئلہ دہشت گردی کا ہے۔ عام طور پر دہشت گردی کو اسلام سے جوڑ کر دیکھا جاتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ دہشت گردی کو اسلام اور مسلمانوں کی حمایت حاصل ہے اس لیے کہ زیادہ تر دہشت گرد مسلم نام رکھے ہوئے ہیں، نیز وہ اپنی مہم کو اسلام کے پرچم تلے اسلام کے نام پر ہی چلاتے ہیں۔

لیکن دنیا کے مختلف خطوں یں اگر مسلم مسائل کا معروضی جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ان کے سارے مسائل سیاسی نوعیت کے ہیں۔ مذہب سے ان مسائل کا کوئی تعلق نہیں، لہٰذا یہ مسائل مذہبی سطح پر نہیں سیاسی سطح پر حل ہوں گے۔ لیکن انتہا پسندوں نے سیاسی اور علاقائی مسائل کے حل کے لیے چھاپا مار جنگ کا راستہ اختیار کیا ہے اور اس کا خوب صورت نام جہاد رکھ دیا ہے۔ چوں کہ یہ عسکری سرگرمیاں دنیا کے مختلف خطوں میں ہو رہی ہیں، اس لیے عالمی میڈیا پر اسلامی دہشت گردی کی رپورٹ چھائی رہتی ہے۔ عام لوگ ان رپورٹوں کو دیکھ کر ہی اسلام کا تعارف لیتے ہیں اور اس بنا پر اسلام کو تشدد کا مذہب سمجھتے ہیں۔ سچ کہا جائے تو موجودہ دور میں دہشت گردوں کے جہادی نظریے نے اس مذہب کو ہائی جیک کر لیا ہے۔ یہی وہ خود ساختہ نظریہ ہے جو اشاعتِ اسلام کی راہ میں آج سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس کی وجہ سے اسلام کی حقیقی تصویر لوگوں کے سامنے نہیں آپاتی۔

اسلام کی حقیقی تصویر کیا ہے؟ آیا وہ جو ان دہشت گردوں کی سرگرمیوں سے اخذ کی جاتی ہے یا وہ جو قرآن کریم اور رسولِ کریم کی زندگی میں ہے؟ اس کا جواب یقینی طور پر یہی ہے کہ اسلام وہ ہے جو قرآن کریم میں ہے اور جسے رسولِ اکرم ﷺ نے پیش کیا۔ قرآن میں لفظ جہاد انتہائی کوشش اور جدوجہد کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ (دیکھیے سورہ نساء ۲۴، حج ۷۸، فرقان ۵۲، اور سورہ ممتحنہ ۱) اگرچہ اس جدوجہد میں جنگ بھی شامل ہے، لیکن خالص جنگ و جدال کے لیے قرآن کریم میں قتال کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قتال کے ساتھ بھی فی سبیل اللہ کی قید ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قتال ایسی راہ میں نہ ہو جو فی سبیل اللہ کی حد میں نہ آتی ہو۔ قتال فی سبیل اللہ اس جنگ کا نام ہے جو مذہبی اسباب کے تحت اپنے بچاؤ کے لیے لڑی جائے، نبیِ آخر الزماں ﷺ کو جن جن جنگوں میں شریک ہونا پڑا ان سب کا تعلق براہِ راست مذہب سے تھا، مذہب کی وجہ سے ہی لوگ آپ ﷺ کے دشمن ہوگئے تھے۔ مذہب کی وجہ سے ہی آپ اور آپ ﷺ کے اصحاب کو گھروں سے نکالا گیا۔ (سورہ حج: ۴۰) اور مذہب کی وجہ سے ہی آپ ﷺ سے جنگ کی گئی۔

تاہم قتال کا ایک جارحانہ پہلو بھی ہے۔ ختمِ فتنہ کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کو کفارِ عرب سے قتال کا حکم دیا گیا (بقرہ: ۱۹۳، انفال: ۳۹) یہاں میں فتنہ سے مراد شرک ہے اور اس کی مثال فتح مکہ ہے جہاں اتمامِ حجت کے مرحلہ کے بعد رسولِ خدا نے شرک کا خاتمہ کیا اور دین اللہ کا ہوگیا۔

جدید علما فتنہ کا ایک اور مفہوم بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ وہ حالت ہے کہ جب کسی خطۂ ارض میں شریعت پر عمل کرنا ممکن نہ رہے یا مذہبی آزادی کلی طور پر ختم کردی جائے۔ یہ حالت اگرچہ ہجرت کا پیش خیمہ ہے، لیکن بعض علما اس حالت میں قتال کی رائے دیتے، ہیں اس لیے کہ دورِ اول کی بعض جنگیں اسی زمرے میں آتی ہیں۔ لیکن آج کوئی سوسائٹی اس حالت کو پسند نہیں کرتی۔ آج دنیا میں شاید ہی کوئی جگہ ہو، جہاں اس طرح کی حالت ہے۔ آج کے کھلے سماج میں یہ ممکن بھی نہیں ہے کہ کوئی حکومت مذہبی عمل پر روک لگادے۔ مذہبی معاملے اب ذاتی

معاملے مان لیے گئے ہیں۔ ان میں کوئی حکومت مداخلت نہیں کر سکتی۔ ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں جہاں نہ صرف یہ کہ مذہبی سرگرمیوں پر کوئی روک نہیں ہے بلکہ دینی دعوت و تبلیغ کے بھی وسیع امکانات موجود ہیں، ایسے ملک میں قتال کا کوئی جواز نہیں۔

”جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمھیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کرنے سے اللہ تمھیں نہیں روکتا بلکہ اللہ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“ (ممتحنہ:۸)

یہ درست ہے کہ ہندوستان میں بابری مسجد اور کشمیر کے حوالے سے سنگین مسائل موجود ہیں، لیکن یہ مسلمانانِ ہند کے سیاسی اور قومی مسائل ہیں۔ اسلامی جہاد سے ان مسائل کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ مسائل ملک کے حالات، دستور اور سوجھ بوجھ کے ذریعہ حل ہوں گے، قتال سے نہیں۔ اسی طرح پاکستان، عراق اور شام جیسے ملکوں میں انتہا پسند اپنے مسلکی اور سیاسی جھگڑوں کو قتال کے ذریعہ حل کرانا چاہتے ہیں، وہ خودکش حملوں اور بم دھماکوں سے بے قصور مسلمانوں، بچوں اور عورتوں کو ہلاک کرتے ہیں، ایک دوسرے کی مسجدوں اور مزاروں پر گولیاں چلاتے ہیں اور بڑی جسارت سے اسے جہاد کا نام دیتے ہیں، حالاں کہ یہ تمام خون ریزیاں یزیدی افعال ہیں اور صاف طور پر قتلِ مسلم کے دائرے میں آتی ہیں۔ قرآن کریم میں اس کی سخت وعید آئی ہے:

”جو کوئی مسلم کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ (نساء:۹۳)

اگر ہم رسول اکرم ﷺ کی تیرہ سالہ مکی جدوجہد کا جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ قریش کی طرف سے ہزار مظالم و مزاحم کے باوجود آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو لڑنے بھڑنے کی اجازت نہیں دی۔ ہر مرتبہ انھیں صبر اور شکر کا دامن تھامنے کی تلقین کی گئی۔ جب قریش کے مظالم مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مادرِ وطن چھوڑنے کا حکم دیا۔ اس حکم کے بعد مسلمانوں نے گھر بار چھوڑا اور سیکڑوں میل دور مدینہ میں جا کر پناہ لی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا کام تشدد اور ٹکراؤ سے گریز کرنا ہے نہ کہ ان میں ملوث ہونا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال دیکھیے۔ جب مصر کا بادشاہ فرعون ان کی دعوتِ توحید کو مسترد کر کے ان کی قوم بنی اسرائیل پر ظلم ڈھا رہا تھا تو اس وقت مصر میں بنی اسرائیل کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاد یا چھاپا مار جنگ کا اعلان نہیں کیا۔ حالاں کہ فرعون کے مظالم کے پیش نظر انھیں پورا اختیار تھا کہ وہ فرعون اور اس کی فورسیز سے ٹکرا جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم الٰہی کی تعمیل کی اور راتوں رات تمام بنی اسرائیل کو لے کر مصر کی سرحد سے باہر نکل گئے اور جزیرہ نما سینا میں پناہ اختیار کی۔

نبیِ رحمت ﷺ کے وطن چھوڑنے کے واقعہ (۶۲۲ء) کو ہجرت اور حضرت موسیٰ کے ترکِ وطن (۱۴۴۱ق.م.) کو خروج کہتے ہیں۔ ترکِ وطن کے یہ دونوں واقعات ایک جیسے ہیں اور ہر زمانے میں بنی نوع انسان کے لیے رہ نما اصول پیش کرتے ہیں۔ ان دونوں مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ٹکراؤ اور تشدد سے گریز کے لیے اسلام کس حد تک جا سکتا ہے۔

ہاں مدینہ آ کر رسول اکرم ﷺ کو جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ﷺ جب قریش کے تشدد سے تنگ آ کر اپنے اصحاب کے ساتھ مدینے میں پناہ گزیں ہوئے تو قریش نے وہاں بھی آپ ﷺ کو چین سے رہنے نہ دیا اور مہاجرین پر فوج کشی کر دی۔ اب آپ ﷺ کے لیے سوائے مقابلہ کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ دیکھ رہے تھے کہ دشمن کی تقریباً ایک ہزار فوج کے مقابلے میں آپ کے پاس صرف ۳۱۳/ افراد دستیاب ہیں۔ لیکن قریش نے آپ ﷺ کے لیے کوئی موقع ہی نہیں چھوڑا تھا۔ اس سبب سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنی نصرت کے ساتھ ہتھیار اٹھانے کی اجازت دے دی۔

”اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیوں کہ وہ ستائے ہوئے ہیں اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ لوگ ناجائز طریقے سے اپنے گھروں سے نکال دیے گئے ہیں، کیوں کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔“ (حج:۳۹،۴۰)

ان آیتوں کے نزول سے مسلمانوں کو پرامن طریقے سے اپنے دفاع کی اجازت مل گئی، کیوں کہ یہ بالکل فطری امر تھا کہ کوئی کسی پر حملہ کرے تو اپنے بچاؤ کے لیے اس کا جواب دینا ہی پڑے گا، خواہ بچاؤ کرنے والے کے پاس ۳۱۳/ افراد ہوں یا صرف ۱۳/ لیکن اس اجازت کے ساتھ جنگ میں کسی طرح کی زیادتی کرنے سے صاف منع کر دیا گیا۔

”اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرنا۔ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“ (بقرہ:۱۹۰)

اس طرح ناگزیر حالات میں اللہ تعالیٰ نے جنگ کی اجازت دی ہے، لیکن اس نے قرآن کریم میں ایسی آیتیں بار بار نازل کی ہیں جن سے لڑنے بھڑنے کے حالات ختم ہو جائیں۔ مثال کے طور پر قرآن کی ان ہدایات کو دیکھیے۔

"اگر وہ لڑائی کرتے کرتے کنارہ کشی اختیار کر لیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمھیں صلح کا پیغام دیں تو اللہ تمھیں ان پر زیادتی کرنے کی کوئی سبیل نہیں چھوڑی۔" (نساء:۹۰)

"اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ، اور اللہ پر بھروسا رکھو۔ یقیناً وہ بہت سننے اور جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ تم سے دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمھارے لیے اللہ کافی ہے۔"

(انفال:۶۱،۶۲)

ان آیات کریمہ کا مقصود یہ ہے کہ اہلِ ایمان کے لیے اگر جنگ ناگزیر ہو جائے تو میدانِ جنگ میں بھی وہ امن کو نشانے پر رکھیں۔ دشمن اگر بیچ میں ہی جنگ بندی کی پیش کش کر دے تو وہ فوراً اس پیش کش کو قبول کر لیں۔ اس پیش کش کے پیچھے اگر دشمن کی کوئی چال فریب یا سازش کا اندیشہ ہو تب بھی مسلمانوں کو جنگ بندی سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔ دشمن کی امکانی چال یا سازش کا جواب دینے کے لیے اللہ ربِ قدیر پر بھروسا رکھنا چاہیے۔

رسولِ اکرم ﷺ کو بار بار جنگ پر مجبور کیا گیا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو محدود نوعیت کے بعض معرکوں میں بہ نفسِ نفیس شریک ہونا پڑا۔ ان سبھی معرکوں میں آپ ﷺ کی اعراضی پالیسی کی وجہ سے ہلاکتوں کی تعداد اتنی کم رہی ہے کہ انھیں جنگ کے بجائے جھڑپ کا نام دینا زیادہ موزوں ہوگا۔ اس طرح کی جنگ جو صرف مذہب کی پیروی کی وجہ سے مسلمانوں پر تھوپ دی جائے (کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ حج:۴۰) اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لیے ان کا سامنا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ضروری بھی ہے اور اسے ہی جہاد کہا گیا ہے۔ ایسے جہاد کے لیے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا گیا ہے (انفال:۴۰) اور پھر جنگ میں ثابت قدم رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (انفال:۴۸) اور ایسے ہی جہاد کے لیے اللہ تعالیٰ نے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے (حج:۳۸، مومن:۵۱، محمد۴۷) لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ ایسی جنگوں کے لیے نہیں ہے جو دنیوی مقاصد مثلاً سیاسی و معاشی وجوہ سے لڑی جائیں خواہ ان کا نام بھی جہاد کیوں نہ رکھ دیا گیا ہو۔

اسلام ایک امن پسند مذہب ہے جس کا صرف ایک مقصد زمین پر آباد انسانوں کو رب کائنات اور اس کے احکام سے واقف کرانا ہے۔ اس کام کو چھوڑ کر وہ دنیوی معاملات میں نہیں الجھتا۔ دنیا میں قوموں کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ یہاں اسباب و علل کے تحت کبھی ایک قوم کو اور کبھی دوسری قوم کو برتری حاصل ہوتی ہے۔ ایسے تمام معاملوں میں مسلمانوں کو شکر اور صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ ہندوستان جیسے مخلوط معاشرے میں مسلمانوں کو کس طرح کا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے، اس کے لیے قرآن کریم کی ذیل کی آیتیں رہنمائی کرتی ہیں۔

"اللہ تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔" (ممتحنہ:۸)

"اور نیکی اور بدی دونوں برابر نہیں ہیں۔ تم بدی کو نیکی سے دفع کرو۔ پھر یکایک تم میں اور جس کے ساتھ دشمنی تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے جگری دوست ہوتا ہے۔ اور یہ بات ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔" (حٰم السجدہ:۳۴،۳۵)

"تم ایک بہترین امت ہو جو انسانوں کے سامنے لائی گئی ہے۔ تم معروف کا حکم کرتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" (آل عمران:۳)

"رحمٰن کے سچے بندے وہ ہیں وہ زمین پر نرم چال چلتے ہیں اور جاہل ان کے منہ آئے تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام۔" (فرقان:۶۳)

آیاتِ قرآن کے متذکرہ مفہوم کو حدیث میں اس طرح کہا گیا ہے:

"جو تم سے قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو، جو تمھارے ساتھ ظلم کرے تم معاف کرو اور جو برا سلوک کرے تم اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔"

ایک حدیث میں رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کرو کہ لوگ تمھارے ساتھ اچھا سلوک کریں تو تم بھی اچھا سلوک کریں۔ اور اگر لوگ تمھارے ساتھ برا سلوک کریں تو بھی تم اچھا سلوک ہی کرو۔" (مشکاۃ المصابیح، الجزء الثالث)

اس طرح اسلام کے دو بنیادی ماخذ قرآن اور حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نفرت کی نہیں بلکہ پیار و محبت اور میل ملاپ کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ انسانوں کو دشمن نہیں بلکہ دشمنوں کو بھی دوست بنا لینے کی ترکیب

بتاتا ہے۔ اور جو برا سلوک کرے اس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ سب اس لیے کہ بنی اسرائیل کی افضلیت و فوقیت کے منصب سے معزولی کے بعد اب رحمۃ للعالمین نبی کی امت کو خیر امت کے منصب پر سرفراز کیا گیا ہے۔ خیر امت کے ناطے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اقوامِ عالم کے ساتھ خیر کا معاملہ کریں خواہ ان کے ساتھ کوئی خیر کا معاملہ کرے یا نہ کرے۔ اسی کے ساتھ مسلمان ”امتِ وسط“ کے مقام و منصب پر بھی مامور ہے۔ (بقرہ:۱۴۳) جس کی رو سے مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ خدا کے پیغام کے گواہ بنیں اور اسے اقوامِ عالم تک پہنچائیں۔ اسی سے انھیں غلبہ حاصل ہوگا۔ اس کے ذریعہ وہ اقوامِ عالم کی امامت کر سکتے ہیں۔ اس ایجنڈا کو پسِ پشت ڈال کر قتل و غارت گری میں لگے رہنا کسی بھی طور پر موزوں نہیں۔ واضح رہے کہ افضل الامت کی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے یہ میثاق لیا تھا کہ آپس میں خون نہ بہانا اور نہ ایک دوسرے کو گھروں سے نکالنا (بقرہ:۸۴) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کتاب میں لکھ دیا تھا کہ کسی کو ناحق قتل کرنا تمام لوگوں کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ (مائدہ:۳۲) لیکن بنی اسرائیل نے اپنے منصب کے غرور میں فساد فی الارض کا ارتکاب کیا جس کی پاداش میں انھیں طویل مدت تک بابل کی اسیری اور رومیوں کے تسلط کے روپ میں سزائیں دی گئیں۔ نیز انھیں افضل الامت کے منصب سے معزول کر دیا گیا۔ اب یہ منصب مسلمانوں کے پاس ہے، لیکن اس منصب کی ایک قیمت ہے۔ اور وہ قیمت یہ ہے کہ فساد فی الارض سے اجتناب کیا جائے اور زمین پر نبیِ رحمت ﷺ کے امتی ہونے کا ثبوت پیش کیا جائے۔ مختلف مرحلوں میں قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ پیغمبروں نے کبھی تشدد اور ٹکراؤ نہیں کیا بلکہ وہ ہمیشہ تشدد کے شکار رہے۔ مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو میسوپوٹامیا میں اشیریہ کے فرماں روا نے آگ کے حوالے کر دیا جس کی وجہ سے انھیں ملک چھوڑ کر کنعان منتقل ہونا پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیرووں کے ساتھ فرعون نے اتنا خون خرابہ کیا کہ انھیں بھی وطن چھوڑنا پڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ لوگوں نے تشدد کیا اور اخیر میں ان کو سولی کی سزا سنا دی۔ حضرت محمد ﷺ اور ان کے پیرووں پر تشدد کر کے انھیں مادر وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ ان سبھی مثالوں میں انبیا اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ صرف مذہب کی وجہ سے کشت و خون اور تشدد کیے گئے۔ لیکن انبیا نے تشدد کا جواب تشدد سے نہیں دیا بلکہ صبر اور برداشت کا اظہار کر کے دیا۔ اس لیے کہ انبیا کا کام تشدد میں الجھنا نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔ انبیا اگر تشدد میں الجھ جاتے تو پیغام رسانی کا کام ناممکن ہو جاتا۔ اسلام واضح طور پر ایک تبلیغی مذہب ہے اور تبلیغی مذہب تشدد کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ وہ امن اور بقائے باہم کا پیغام بر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کو مکہ میں مکمل اختیار حاصل ہوا تو کوئی تشدد نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے آپ ﷺ کو برسوں تک اذیتیں دیں، راہِ رسالت کو بزور روکا اور مسلمانوں پر تین جنگیں مسلط کیں، ان کے لیے آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان فرما دیا۔ زیادتی کرنے والوں سے کوئی بدلہ نہیں لیا گیا۔

قرآن کریم میں کئی آیتیں ہیں جن کا اگر عمومی مفہوم لیا جائے تو ان کا اطلاق موجودہ دہشت گردوں پر بھی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کی آیاتِ کریمہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

”یہ لوگ اکٹھے ہو کر تم سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ تو قلعہ بند ہو کر دیواروں کے پیچھے چھپ کر ہی وار کر سکتے ہیں۔ تم انھیں متحد سمجھ رہے ہو، حالاں کہ ان کے دل متفرق ہیں، یہ بے عقل لوگ ہیں۔ (حشر:۱۴)

”یہ تمھیں ستانے کے سوا اور زیادہ نقصان نہیں کر سکتے۔ اگر جنگ کا موقع آئے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر مدد نہ کیے جائیں گے۔“ (آل عمران:۱۱۱)

یہ آیتیں یہودیوں اور منافقین کی روش کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن غلط تاویل کے ذریعہ آج جہاد کا دائرہ اس قدر بڑھا دیا گیا ہے کہ جو آیتیں دشمنانِ اسلام کے بارے میں قرآن کریم میں موجود ہیں اب وہ آیتیں اہلِ اسلام پر منطبق نظر آ رہی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دہشت گردی نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ ایک طرف تو اس نے ساری دنیا میں مسلمانوں کی شبیہ بگاڑی ہے، دوسری طرف ہر جگہ مسلمان جانچ کے دائرے میں آ گئے ہیں۔ شک و شبہہ کی بنیاد پر بڑی تعداد میں مسلمانوں کی حراست عمل میں آ رہی ہے۔ انھیں برسوں تک جیل میں ٹارچر کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دہشت گردی کی زد میں نوے فی صد سے زیادہ مسلمان ہی آ رہے ہیں، اس طرح دہشت گردی سے خود مسلمانوں کی مشکلات میں اضافہ ہوا ہے۔ جب کہ آج تک اس سے کوئی ایک مسئلہ بھی حل نہیں ہوا۔ یہ کوئی عقل مندی نہیں کہ ایسے میدان میں پیہم زور آزمائی کی جائے جہاں شکست ہی شکست ہو۔ مسلمانوں کے لیے دہشت گردی کے قبل کے حالات اچھے تھے یا بعد کے حالات، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

•••

خوشبوئے بصیرت

تعلیماتِ نبوی کے انمول تحفے

محمد شاہد رضا قادری مصباحی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

{وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ}

(سورہ حشر،آیت:۷)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

(کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن)

رسول اللہ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔آپ کا فرمان عالیشان ہے:

جس نے میری اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔(سنن ابن ماجہ، افتتاح الکتاب فی الایمان، وفضائل الصحابة، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، ص:۳، مطالع)

قرآن حکیم کی تعلیمات وہدایات کی طرح رسول اللہ کی تعلیمات وہدایات کی اہمیت وعظمت بھی اپنی جگہ مسلم ہے، آپ کی تعلیمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، ان کا احاطہ ہمارے بس سے باہر ہے، آپ کی تعلیمات کے ذخائر میں سے ہم بعض کو بیان کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

ایمانیات:

ایمان: ایمان کے بارے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ، اور تقدیر کی اچھائی اور برائی پر ایمان لاؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ سے کہ جس شخص میں تین چیزیں ہوں اس نے ایمان کی چاشنی کو پالیا: (۱) جس کے نزدیک اللہ ورسول سب سے زیادہ محبوب ہوں۔(۲) جو کسی شخص سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے۔(۳) ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹنا ناپسند کرے جس طرح کہ وہ آگ میں ڈالا جانا ناپسند کرتا ہے۔(صحیح البخاری، ج۱، کتاب الایمان، باب من کرہ أن یعود فی الکفر، ص:۸. مجلس برکات، الجامعة الاشرفية، مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی)

مذکورہ حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف توحید پرستی کا نام نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفتوں پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ اس بات پر بھی ایمان ویقین رکھنا ضروری ہے کہ فرشتے اس کے معصوم بندے ہیں، توریت زبور انجیل قرآن اور اس طرح کی تمام صحائف و نازل کردہ کتابیں برحق ہیں، انبیا اور رسل اللہ تعالیٰ کے معصوم وبرگزیدہ بندے ہیں، حساب وکتاب کے لیے ایک دن مقرر ہوگا جس میں سب کو حاضر ہوکر اپنے رب کے سامنے اپنے کیے دھرے کا حساب دینا ہے، تقدیر کے مطابق ساری چیزیں لکھی جاچکی ہیں، نہ تو کوئی بندہ مجبور محض ہے اور نہ خود مختار ہے، بلکہ بندہ جو کرنے والا تھا اس کے مطابق لکھا گیا یعنی ایمان نام ہے ان تمام چیزوں پر اذعان ویقین رکھنے کا جو محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے آئے ہیں۔

ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول ومعتبر نہیں، صرف ایمان ہی ایک ایسی کنجی ہے جو جنت کا دروازہ کھول سکتی ہے۔ ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے:

جنت کی کنجی "لاالہ الا اللہ" ہے، مگر جو اس کا حق ہے (اس کا محاسبہ ہوگا)۔(ریاض الصالحین، باب المبادرة الى الخيرات، ص: ٤٨، مكتبة الحديث)

شرک کی بابت ایک حدیث شریف میں نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

جو کوئی کسی کو اللہ کے برابر نہ ٹھہرائے وہ جنت میں داخل ہو گا، اور جو کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔

(الصحیح لمسلم، کتاب الایمان، باب من لا یشرك باللہ شیأ، ص:۱۹، مجلس برکات، الجامعة الأشرفية، مبارکپور.)

عبادات:

نماز: ایک مومن کی حقیقی و مکمل کامیابی صرف ایمان لانے میں نہیں ہے، بلکہ قرب الٰہی اور اخروی زندگی کی لذتوں سے ہمکنار ہونے کے لیے دین کے بنیادی احکام سے محبت کرنا اور ان پر کاربند ہونا بھی ضروری ہے۔ نماز ایمان کے گھر کا ایک اہم ستون ہے، جس طرح ستون کے ڈھ جانے سے گھر زمین بوس ہو جاتا ہے، اسی طرح ترک نماز سے ایمانی گھر کے ڈھ جانے کا بھی خطرہ رہتا ہے۔

ایک حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب نے عرض کی، یارسول اللہ! اسلام میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب کیا ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا اور جس نے نماز چھوڑی اس کا کوئی دین نہیں، نماز دین کا ستون ہے۔

(بہار شریعت اول، حصہ سوم، نماز کا بیان، ص۴۳۶، مکتبۃ المدینہ)

نماز کے طبی و روحانی فوائد میں سے یہ ہے کہ نماز سے دل کو اطمینان و سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک و قرار ملتا ہے، اور جسم کے ہر چھوٹے بڑے جوڑوں کی ورزش ہو جاتی ہے، دن و رات میں پانچ نمازیں ہیں، نماز سے پہلے وضو کے طور پر چہرہ، ہاتھ، پاؤں دھلا جاتا ہے، اور تر ہاتھ سے گردن کا مسح کیا جاتا ہے، طبی تحقیق کے مطابق جو ان اعضائے وضو کو دن میں پانچ چھ بار پانی سے تر کرتا ہے تو وہ قلبی و دماغی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے، اور ایک بہت بڑا ظاہری فائدہ یہ ہے کہ نمازی صفائی ستھرائی کے ساتھ حشاش وبشاش رہتا ہے، قلب و جگر اور ذہن و دماغ میں فرحت و تازگی اور قرار و آرام محسوس کرتا ہے۔

روزہ: اسی طرح روزہ ایک بدنی عبادت ہے، مکمل خیر و برکت کا ذریعہ ہے، اخروی فوائد کے ساتھ دنیا میں بھی بہت سے فائدے ملتے ہیں۔ رمضان کا مہینہ آتے ہی لوگ خدا سے ڈرنے لگتے ہیں، گناہ کم کرتے ہیں، اس مہینے میں روزہ دار قسم قسم کی اچھی غذائیں اور لذیذ و مقوی میوے جات تناول کرتا ہے۔ نماز کی طرح روزہ بھی جسم کے جراثیم کو دور کرتا ہے، اور اسی طرح وہ ظاہری و باطنی امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رمضان کے مہینے میں ایمان کی حالت میں نیکی کی نیت سے روزہ رکھے تو اس کے گزشتہ تمام گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے، اور جو لیلۃ القدر میں قیام کرے تو اس کے سابقہ تمام گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری، ج۱، کتاب الصوم، باب فضل لیلۃ القدر، ص: ۲۷۰)

حج: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا} (سورہ آل عمران، آیت:۹۷)

حج ایک ایسا فریضہ ہے جو بدنی و مالی دونوں طرح کی عبادتوں کو شامل ہے، حج کی بڑی حکمتیں اور فضیلتیں ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

جو اس گھر کے پاس آئے اور فسق و فجور نہ کرے تو وہ ویسا ہی لوٹتا ہے جیسا کہ اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ (الصحیح لمسلم، کتاب الحج، باب فضل الحج والعمرة، ص:۹۸۴، مجلس برکات.)

زکات: یہ ایک مالی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے غریبوں کی امداد کرنے، معاشرے کے تمام افراد کو خوشحال رکھنے اور دلوں سے باطنی بیماریوں کو دور کرنے کے لیے فرض فرمایا ہے۔ اس کا منکر کافر ہے، اور نہ دینے والا دردناک عذاب کا مستحق ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو مال دے اور وہ اس کی زکات ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کا مال اس کے لیے گنجے سانپ کی صورت میں کر دیا جائے گا، جس کی دو چتیاں ہوں گی، وہ سانپ اس کی گردن میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا، وہ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑ کر کہے گا، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ (صحیح البخاری، ج۱، کتاب الزکاة، باب اثم مانع الزکاة، ص:۱۸۸، مجلس برکات)

اخلاقیات:

جس کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں، اس سے صادر ہونے والے افعال بھی اچھے ہوتے ہیں، اس کے افکار و خیالات اپنے اور پرائے سب کے لیے مثبت ہوتے ہے، وہ سب کے نزدیک عزیز و محبوب رہتا ہے، اور اس کی اس امتیازی صفت کو دیکھ کر اس کا دشمن بھی اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ کے مبعوث ہونے کا ایک

مقصد اچھے اخلاق کا درس دینا ہے۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ اچھے اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے میں مبعوث کیا گیا ہوں۔

(مؤطا امام مالك، كتاب حسن الخلق، باب ماجاء فی الغضب، ص:۹۰۵. مكتبة الحديث)

حسن خلق: ارشاد رسالت مآب ہے کہ یقیناً مومن اپنے حسن خلق کے باعث ضرور ضرور قائم اللیل اور صائم الدہر کا درجہ پالیتا ہے۔(مشكاة المصابيح۲،كتاب الآداب ،باب الرفق والحياء، ف ۲، ص:۲۲۹، دارالكتب العلمية،بيروت)

ہمارے نبی ﷺ اخلاق کے اتنے اونچے درجے پر فائز تھے کہ خود قرآن اس کی شہادت دے رہا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ حسن خلق کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اے اللہ جس طرح تو نے میری خلقت کو بہتر بنایا ہے اسی طرح میری خصلت کو بھی بہتر بنا۔(مشكاة المصابيح،ج۲،كتاب الآداب، ف۳،ص:۲۳۱،،دارالكتب العلمية، بيروت)

قلبیات:

حسن ظن: حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے آپ کو کثرت ظن سے بچاؤ، کیونکہ زیادہ گمان کرنا زیادہ جھوٹ بولنا ہے۔(صحیح البخاری، ج۲، كتاب الأدب، ص:۸۹۶، مجلس بركات .)

رفق ونرمی: آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ نرمی کو لازم پکڑو، سختی و فحش گوئی سے بچو، یقیناً نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اسے زینت دیتی ہے، اور جس چیز سے چھین لی جاتی ہے وہ عیب دار ہو جاتی ہے۔

(مشكاة المصابيح،ج۲،كتاب الآداب،ف۳،ص:۲۸۸، دار الكتب العلمية، بيروت)

شرم وحیا: حضور ﷺ پاکیزہ عورت کے پردے میں حیا کرنے سے بھی زیادہ باحیا تھے ۔(صحیح البخاری،ج۲،کتاب الادب،باب الحياء،ص۹۰۳،مجلس بركات،)

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ حیا صرف خیر ہی لاتا ہے۔

(صحیح البخاری، ج۲، كتاب الأدب، باب الحياء، ص۹۰۳، مجلس بركات)

جو شخص صفت حیا سے متصف ہوتا ہے تو وہ فواحشات و منکرات سے اپنے دامن کو پاک وصاف رکھتا ہے، اور یہ سبب بنتا ہے اس کے لیے رب سے زیادہ سے زیادہ ڈرنے کا، لہٰذا وہ حقوق العباد کے ساتھ حقوق اللہ کا بھی امین ہوتا ہے، ان میں خیانت کرنا اپنے لیے عار محسوس کرتا ہے۔ حیا جیسی باعظمت صفت سے تمام مسلمانوں کو متصف ہونا چاہیے کیوں کہ حیا ایمان کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان کے ۶۰/ سے زیادہ شعبے ہیں، اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

(صحیح البخاری ، ج۱،كتاب الايمان، باب أمور الايمان، ص:٦،مجلس بركات)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً سابق نبوت کے کلام میں سے جو لوگوں کو حاصل ہوا وہ حیا ہے۔ اگر تم حیا نہیں کرتے ہو تو جو چاہو کرو!

(صحیح البخاری ،ج۲،كتاب الأدب،باب اذالم تستح فاصنع ماشئت، مجلس بركات)

یعنی حیا انبیاے سابقین کی تمام شریعتوں میں ہمیشہ محمود و مستحسن رہی، روز اول سے لے کر آج تک تمام لوگ اس سلسلے میں ایک ہی منہاج پر قائم رہے، اور یہ اب بھی ویسا ہی باقی ہے، تو جو شخص حیا نہیں اختیار کرتا ہے تو وہ ہمارے اس طریقے سے خارج ہے۔ اس کے لیے محرمات وقبائح سے کوئی شی مانع نہیں، وہ جو چاہے کرے اسے تو اس کا بدلہ ملنا ہی ہے۔

تواضع وانکساری: کسی صدقہ نے کبھی کسی مال سے کچھ نہ گھٹایا، عفو و درگزر کرنے والے کو اللہ نے ہمیشہ عزت دی، اور جس کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع وانکساری کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے عزت پر عزت ہی دی۔(سنن ترمذی، كتاب البر والصلة، باب ماجاء فی التواضع)

غرور وتکبر: غرور و تکبر، بغض وحسد یہ وہ دل کی بیماریاں ہیں جو قلب و جگر کو گھایل کر دیتی ہیں، اور انسانی برادری کے درمیان افتراق وانتشار کی آگ بھڑکاتی ہیں۔ سرور کائنات ﷺ نے ان تمام خطرناک امراض سے دور رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ تکبر انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھاجاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو، تکبر اتنی

بری چیز ہے کہ اسے ایمان کے مقابل کفر و شرک کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔

وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو

(مسلم شریف، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر، الحدیث: ۱۴۹، مکتبۃ الحدیث)

وجہ یہ کہ بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے ،اسی کو زیب دیتی ہے۔اگر کوئی بندہ تکبر کرتا ہے تو وہ گویا اپنے آپ کو خدائے وحدہ لاشریک کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے جو حرام سخت حرام ہے،اللہ کو ناپسند ہے۔

بغض وحسد: بغض وحسد آج اتنا زیادہ عام ہو گیا ہے کہ عوام سے لے کر خواص تک اس کے شکار ہیں۔اور یہ مہلک بیماریاں آج ہمارے ملک میں زیادہ رائج ہوتی جارہی ہیں،جن کے برے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔عوام کا حسد تو یہ ہے کہ ایک دوسرے کی ترقی و خوشحالی دیکھ کر انھیں صرف یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ ان کا محسود کیسے تنزلی کے شکار ہوں ؟اور خواص کا تکبر و حسد یہ کہ وہ اپنے طور پر سب سے بڑے ہیں، سارے علوم وفنون ان ہی کی شخصیات میں سیٹ کر رہ گئے ہیں،دوسروں کی ان کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔ حسد کی اگر دوسری شق ہی اپنا لیتے تو از حد اچھا ہوتا؛وہ یہ ہے کہ دوسروں کی خوشحالی دیکھ کر اپنی خوشحالی کی تمنا کرے،اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اے اللہ !تو نے جس طرح فلاں کو شاداں و فرحاں رکھا ہے اسی طرح مجھے بھی کردے ،اسے رشک کہتے ہیں، اور تعلیمات محمدیہ میں اس کی اجازت ہے۔

حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رشک وحسد صرف دو ہی آدمی میں جائز ہے:(۱)ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم عطا فرمایا،اور وہ رات و دن کی گھڑیاں قرآن کی محافظت میں گزارتا ہے۔(۲)اور وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے دولت و ثروت سے نوازا،اور وہ اسے (فی سبیل اللہ)رات و دن صرف کرتا رہتا ہے۔(تنبیہ الغافلین ،باب الحسد،ص:۱۰۰،مرکز اھل سنت برکات رضا،پوربندر،گجرات)

غیظ وغضب: عوام طبقہ کا ایک عمومی مرض ہے غصہ کرنا،کچھ لوگوں کو بات بات پر غصہ آتا ہے ،بسا اوقات گالی گلوچ اور جھگڑا سے بھی تجاوز کرکے توڑ پھوڑ مچاتے ہیں ،اور بعد میں پھر اس پر کف افسوس ملتے ہیں ۔آقا علیہ السلام غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو کھڑے ہونے کی حالت میں غصہ آئے تو اسے بیٹھ جانا چاہیے،اگر اس سے غصہ دور ہو جائے تو ٹھیک ہے،ورنہ اسے چاہیے کہ لیٹ جائے۔ (سنن أبي داؤد،کتاب الأدب،باب من لطم غیظا، ص:۷۵۳، دار الکتب العلمیة)

یہ بات پائے تحقیق کو پہنچی ہوئی ہے،اور حالات و مشاہدات بھی اس پر گواہ ہیں کہ جو شخص غیظ و غضب زیادہ کرتا ہے اس کی صحت بگڑ جاتی ہے ، جب کہ حقوق انسانی کے زمرے میں بعض ایسے حقوق ہیں جن کی حفاظت خود اپنے ذمہ ہوتی ہے،اور ان ہی میں سے ” حفظان صحت “بھی ہے۔

منافقت: جس میں چار خصلتیں ہوں تو وہ خالص منافق ہے ،اور جس آدمی میں ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے :(۱)جب بات چیت کرے تو جھوٹ بولے ۔(۲)جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔(۳)جب معاہدہ کرے تو معاہدہ توڑ دے ۔(۴)اور جب جھگڑا کرے تو حد سے تجاوز کرے۔(خ،ج۱،ابواب المظالم ،باب اذا خاصم ، ص:۳۳۲،مجلس برکات)

لسانیات:

صدق وکذب: زبان کی حفاظت سخت ضروری ہے اس کا صحیح استعمال کبھی ایک بے علم وادنی آدمی کو بلند مراتب پر فائز کر دیتا ہے، اور کبھی یہی زبان معززو مکرم ،بلند و بالا لوگوں کو ذلت و پستی کی طرف کھینچ لے آتی ہے۔جھوٹ تمام باطنی بیماریوں کی جڑ ہے، جھوٹ اتنی بری چیز ہے کہ اسے نفاق کی خصلتوں میں اول ترین خصلت شمار کیا گیا ہے۔جیسا کہ اوپر گزرا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صداقت و راست بازی کو لازم پکڑو،کیوں کہ راست بازی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے ،اور یقیناً نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے ،اور آدمی سچ بولتا ہے ،اور سچائی کا قصد کرتا رہتا ہے،یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہے ، اور اپنے آپ کو دروغ گوئی و جھوٹ سے بچاؤ،کیوں کہ دروغ گوئی بدی کی طرف لے جاتی ہے اور بدی جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔آدمی جھوٹ بولتا ہے ، جھوٹ کی طرف مائل رہتا ہے،یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب لکھا جاتا ہے ۔ (مشکاۃ المصابیح، ج۲، کتاب الآداب، فصل اول ،ص:۱۹۱،دارالکتب العلمیة)

غیبت وچغلی: حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیاکہ غیبت کیاہے ؟تو آپ نے فرمایاتمھاراتمھارے بھائی کواس چیز کے ساتھ ذکرکرناجسے وہ ناپسند کرتاہے ۔پھرعرض کیا:اگرچہ میری بات اس کے بارے میں حق ہو؟آپ نے فرمایا:اگرتمھاری کہی ہوئی بات اس میں پائی جاتی ہے توتم نے اس کی چغلی کھائی ہے،اوراگروہ بات اس کے اندرنہیں ہے توتم نے اس کے اوپر بہتان باندھا ہے ۔(سنن ابی داؤد،کتاب الأدب،باب فی الغیبة ،ص:٧٦٤،دارالکتب العلمیة)

ایک دوسری حدیث میں غیبت کی خرابی کوبیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایاکہ غیبت زناسے بھی زیادہ بدترہے،لوگوں نے عرض کیا:یارسول اللہ!ﷺ یہ کیسے ہوسکتاہے ؟آپ نے جواب دیا:یقیناآدمی زناکرنے کے بعدتوبہ کرلیتاہے تواللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتاہے۔لیکن چغل خورتواس کے لیے بخشش نہیں ہے،جب تک کہ اس کامغتب(جس کی غیبت کی گئی ہے)اس کومعاف نہ کردے۔

(مشکاةالمصابیح، کتاب الآداب،باب حفظ اللسان والغیبة والشتم ،ص:١٩٨،دارالکتب العلمیة،)

سب وشتم اورلعن طعن: اسی طرح زبان کے غلط استعمال میں سے سب وشتم ،لعن طعن،فحش گوئی کرنااورلایعنی باتوں میں پڑناہے ،یہ وہ خطرناک بیماریاں ہیں جوانسان کے اخلاق پرایک بہت بڑی بری اور گہری چھاپ چھوڑتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہی سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایاکہ مومن نہ تولعن طعن میں پڑتاہے ،اورنہ ہی فحش گوئی وکمینگی میں پڑتاہے۔(مشکاة،کتاب الآداب،باب حفظ اللسان والغیبة والشتم ،ص:١٩٤،دارالکتب العلمیة)

مدح وستائش: مقدادبن اسود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایاکہ جب تم تعریف کرنے والوں کودیکھوتوان کے چہروں پرمٹی ڈال دو۔ (مشکاة،کتاب الآداب،باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، ص:١٩١، دارالکتب العلمیة)

ان تمام بیماریوں کاآسان علاج یہ ہے کہ خاموشی کوترجیح دی جائے۔آپ کامختصروجامع فارمولہ ہے "من صمت نجا" جوچپ رہا،نجات پایا۔

حضرت سہل بن سعد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رسول گرامی وقار ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جومجھے اپنے منہ اوراپنی شرمگاہ کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتاہوں ۔(مشکاة،کتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم،فصل اول، ص:۱۸۹، دارالکتب العلمیة،بیروت)

متفرقات:

ایفائے عہد: حضرت انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ بہت کم ایساہواکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیااورآپ نے فرمایا: اس کاکوئی ایمان نہیں جس کی کوئی امانت نہیں ،اوراس کاکوئی دین نہیں جس کاکوئی عہدنہیں ۔(مشکاة،کتاب الایمان ،الفصل الثانی ، حدیث نمبر:٣٥،ص:١٧،دارالکتب العلمیة)

امانت و خیانت: حضرت حذیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اترگئی ہے ،پھرقرآن نازل ہواتوانہوں نے قرآن وسنت سے حاصل کیا۔پھرانہوں نے ہمیں رفع امانت کی خبردیتے ہوئے بتایاکہ آدمی سوئے گاتوامانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی۔ (مسلم،کتاب الایمان ،باب أن الاسلام ،ص:١٢٨،مکتبة الحدیث)

معاملات:

اس میں خاص طورپرانسانی حقوق کاتذکرہ کیاجاتاہے،خواہ وہ ذاتی حقوق ہوں یاقریبی رشتہ داروں کے حقوق ،یاہمسایوں کے حقوق،یاراعی ورعایاکے حقوق۔

ذاتی حقوق: انسان کے پاس روح وجسم کی شکل میں جوبھی سرمایہ ہے،اس پر اس کی ذاتی ملک نہیں ہے،بلکہ تمام اعضائے جسمانی پراس کے خالق ومالک کی ملکیت ہے،ہاں یہ سب انسان کے پاس امانت کے طورپرہیں،جن کی حفاظت اس کے ذمہ واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمروبن عاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ مجھے خبرملی ہے کہ تم دن بھرروزہ رکھتے ہو،اوررات بھرنمازپڑھتے ہو،میں نے کہا:ہاں یارسول اللہ !آپ نے فرمایا:ایسانہ کرو،روزہ بھی رکھواورافطاربھی کرو،عبادت بھی کرواورسوؤبھی،اس لیے کہ تجھ پرتیرے جسم کاحق ہے،تیری آنکھوں کاحق ہے،اور تیرے اہل کاحق ہے۔یقیناتجھے اتناکافی ہے کہ تم ہرمہینے میں تین روزے رکھاکرو،تم ہرنیکی کے بدلے دس نیکی کاثواب پاؤگے۔ (صحیح البخاری،ج١،کتاب الصوم،باب حق

الجسم فی الصوم، ص:۲۶۵، مجلس برکات)

بلکہ قرآن بھی واضح طور پر افراط وتفریط سے منع کرتا ہے، اور اپنی ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

بے شک کان اور آنکھ اور دل، ان سب سے سوال ہوگا۔ (سورہ بنی اسرائیل، ت: ۳۶۔ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن)

خودکشی: حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر اسلام کے علاوہ کسی دوسری ملت کی قسم کھائے تو وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا، اور جو شخص کسی لوہے سے اپنے آپ کو قتل کرے تو جہنم کی آگ میں اسے اسی لوہے سے عذاب دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری، ج۱، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی قاتل النفس، ص:۱۸۲، مجلس برکات)

یعنی خودکشی کرنے والے جہنم میں ان ہی چیزوں سے عذاب دیے جائیں گے جن سے وہ دنیا میں اپنے آپ کو ہلاک کیے تھے، مثلاً زہر پی کر مرنے والوں کو زہر دیا جائے گا، گولی چلانے والے اپنے اوپر گولی چلاتے رہین گے، سواری یا گاڑی کے نیچے دب کر مرنے والوں پر گاڑی چلتی رہی گی۔

قریبی رشتہ داروں کے حقوق: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، پوچھا گیا کون؟ یارسول اللہ! فرمایا: جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو یا دونوں کو بڑھاپے میں پایا، اور (ان کو خوش کرکے) جنت حاصل نہ کی۔ (الصحیح لمسلم، ج۲، کتاب البر و الصلۃ، باب فضل صلۃ الأب، ص:۳۱٤)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرابت و نسب عرش سے معلق ہے وہ کہتی ہے کہ جس نے مجھے ملایا اللہ تعالیٰ اسے ملائے، اور جس نے مجھ سے قطع تعلق کیا تو اللہ تعالیٰ اسے پاش پاش کرے۔ (مسلم شریف، ج۲، کتاب البروالصلۃ، باب صلۃ الرحم، ص:۳۱۵)

صلہ رحمی کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایمان کی خصوصیات میں سے ہے، اور قطع رحم حرام ہے، بے روزگاری لاتا ہے، قاطع رحم جنت میں داخل نہ ہوگا۔

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے۔ (میں نے عرض کیا) میں مال دار آدمی ہوں، میری صرف ایک بیٹی ہے تو کیا میں اپنے مال میں سے دو تہائی مال صدقہ کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں میں نے عرض کیا کیا نصف؟ فرمایا: نہیں، ایک تہائی کر سکتے ہو، اور (یاد رکھو کہ) ایک تہائی بھی زیادہ ہے۔ یقیناً تمھارا اپنے وارثین کو غنی چھوڑنا بہتر ہے اس سے کہ تم انھیں محتاج چھوڑو، اور وہ لوگوں میں ہاتھ پسارے پھریں۔ بلاشبہ جو کچھ بھی تم رضائے الٰہی کی خاطر خرچ کرتے ہو اس پر تمہیں اجر و ثواب دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ تمہیں اس لقمے کا بھی ثواب دیا جاتا ہے جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھتے ہو۔ (مسلم شریف، ج۲، کتاب الوصیۃ، ص:۳۹، مجلس برکات)

قیامت کے ہولناک دن گھر والے سب سے پہلے اپنے مالک سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے، اس لیے گھر کو صحیح ڈھنگ سے چلانا ضروری ہے۔ جو اہل وعیال کی پرورش نہیں کرتا ہے، ان کی ضروریات نظر انداز کر جاتا ہے، اور بال بچے ایک وقت کی روٹی کے لیے پریشان رہتے ہیں، ایسے کنبہ والے کے لیے بڑی مذمت و وعید آئی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس سے بڑا گناہ لے کر اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ ملے گا، جو اپنے اہل وعیال سے بے خبر ہو۔ (احیاء العلوم، آداب نکاح، باب اول، ص:۸٤، فاروقیہ بکڈپو)

عائلی حقوق میں کوتاہی کرنے والے یا تو احساس برتری کے شکار ہوتے ہیں یا احساس کمتری کے۔ لیکن جو شخص اپنے اہل وعیال کے ساتھ محبت و شفقت کے ساتھ پیش آتے ہیں، ان کی ضروریات کو خوش دلی کے ساتھ پورا کرتے ہیں، ارشادات مصطفویہ میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: افضل دینار وہ ہے جو آدمی اپنے اہل وعیال پر صرف کرتا ہے، اور وہ جسے راہ الٰہی میں اپنے چوپائے پر صرف کرتا ہے، اور وہ جو رضائے الٰہی کی خاطر اپنے اصحاب پر خرچ کرتا ہے۔ (تنبیہ الغافلیں، باب النفقۃ علی العیال، ص:۱۹۶، مرکزاھل سنت برکات رضا، پوربندر، گجرات)

پڑوسی کے حقوق: اسلام میں جس طرح قرابت داروں اور رشتہ داروں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح پڑوسیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک، ہمدردی اور ان

کے ہر ممکن تعاون کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اور اس میں ذات پات، مذہب و مشرب کسی کا بھی کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔

ارشاد رسالت مآب ہے کہ جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کرے، جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت و تکریم کرے، جو اللہ او آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ خیر کی بات کرے یا پھر خاموش رہے۔(کنزالعمال، ج٥، کتاب الصحة، الباب الرابع، الحدیث ٢٤٩٠٢، ص:٢٤، دار الکتب العلمیه)

ہم سائیوں کو خوش رکھنے کے لیے آقا علیہ السلام اتنی زیادہ تعلیم دیتے تھے کہ صحابہ کے درمیان ــ"حقوق سماج" موضوع بحث بن گیا تھا، اور وہ حضرات آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ کیا ہم سائیوں کو وراثت سے بھی حصہ ملے گا؟ خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جبرئیل علیہ السلام نے مجھے حق ہم سائیگی اس قدر بتایا کہ مجھے اس بات کا احساس ہونے لگا کہ ہم سایہ کو شاید مال وراثت سے بھی حصہ ملے گا۔

(مسلم، ج٢، کتاب البر والصلة، باب الوصیة بالجار، ص: ٣٢٩، مجلس برکات)

اللہ! اللہ! یہ دیکھیے کتنی تاکید کے ساتھ آپ ﷺ فرمارہے ہیں:

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ لوگ اس کے دل، زبان اور ہاتھ سے محفوظ نہ ہوجائیں، اور کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی کے لوگ اس کے ظلم وستم اور مکروفریب سے محفوظ نہ ہوجائیں (تنبیه الغافلین ، باب حق الجار، ص:٧٥، مرکز اهل سنت برکات رضا ، پور بندر)

ایمانی حقوق ورشتے: انسانی حقوق میں بعض ایسے حقوق ہیں جن کا تعلق صرف اور صرف مومنین سے ہے، ان حقوق میں بعض وہ ہیں جو فرض وواجب ہیں اور بعض سنت واستحباب کے درجے میں ہیں ایسے حقوق کے بارے میں آپ نے ایک حدیث میں فرمایا:

ایک مومن کے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں:

(١) جب وہ بیمار ہوجائے تو وہ اس کی عیادت کرے۔

(٢) اور جب مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے۔

(٣) اور جب وہ اپنی ضرورت کے لیے پکارے تو اس کی پکار پر لبیک کہے۔

(٤) اور جب ملاقات کرے تو اسے سلام کہے۔

(٥) اور جب وہ چھینک کر الحمدللہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہے۔

(٦) اور اس کی موجودگی وغیر حاضری ہر موقع پر اس کی خیر خواہی کرے۔(کنزالعمال ، ج٥، کتاب الصحبة، الباب الثانی فی آداب الصحبة، ص١٤)

حضرت ابو موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کے مانند ہے اس کا بعض بعض کو تقویت پہنچاتا ہے۔(مسلم شریف، ج٢، کتاب البروالصلة، باب تراحم المؤمنین، ص٣٢١، مجلس برکات)

جب کوئی کسی سے خوب محبت کرتا ہے تو کمال اتحاد اور انتہا کی دوستی کی بنا پر لوگ ایسی جوڑی کے بارے میں کہتے ہیں: "ایک جان دو قالب" اسی طرح مصطفی کریم ﷺ نے تمام مومنین کو ایک جسم سے تشبیہ دیتے ہوئے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

مومنوں کی مثال، ان کے الفت ومحبت، رحم وکرم اور لطف ومہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے، جب اس کا کوئی ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم اس کی طرف مائل ومتوجہ ہوجاتا ہے، اور بیدار رہتا ہے، بخار کی تپش وشدت کو برداشت کرتا ہے۔(سابق حوالہ)

ہمارا یہ ایمانی وروحانی رشتہ جب اتنا اہم ہے تو ہمیں ایک دوسرے مسلمان بھائی پر ظلم وستم کرنے، اسے کسی ظالم وجابر کے حوالے کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے، جب کسی مسلمان کو کسی کی طرف سے کوئی اذیت پہنچے تو ہمیں اس کی امداد وحمایت کرنی چاہیے، اور اس کے غم میں برابر کا شریک ہونا چاہیے۔

صحیح البخاری، صحیح مسلم اور سنن أبي داؤد میں حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو وہ اس پر ظلم وستم کرتا ہے، اور نہ ہی کسی ظالم کے حوالے کرتا ہے۔اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے، اور جو کسی مسلمان سے کوئی مصیبت دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے طفیل قیامت کی سختیوں میں سے بعض سختی کو اس سے دور کردے گا، اور جو

کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے تواللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔(صحیح البخاری ،أبواب المظالم ،باب لایظلم المسلم،ص:۳۳۰)

راعی ورعایا کے حقوق: راعی کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو کسی بھی امر کی حفاظت کا والی و ذمہ دار ہو، خواہ وہ والی حاکم وسلطان ہو، یاسیاسی لیڈر و حکمراں ، یا کسی بھی ادنیٰ چیز کا نگہبان ۔ اس کا صحیح مفہوم و مطلب درج ذیل حدیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سالم اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم میں سے ہر ایک راعی و نگہبان ہے اس سے اپنی رعیت کے بارے میں محاسبہ ہوگا: لہٰذا بادشاہ اپنی رعیت کا راعی و نگہبان ہے ،اس سے اس کی رعیت کے بارے میں بازپرس ہوگی، اورآدمی اپنے گھروالوں کا راعی ونگراں ہے اس سے ان کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی ، عورت اپنے شوہر کے گھر کی راعی ونگراں ہے اس سے اس کے بارے میں حساب لیاجائے گا، اور غلام اپنے آقا کے مال کا راعی ونگراں ہے وہ اس کا جواب دہ ہوگا۔ (صحیح البخاری،ج۱،کتاب فی الاستقراض، باب العبدراعی فی مال سیدہ ، ص:۳۲۴،مجلس برکات)

معقل بن یسار سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص کسی رعیت کا راعی و نگہبان بنایاجائے اوروہ ان کے لیے خیر خواہ ثابت نہ ہوتو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔ (خ، ج۱، کتاب الأحکام،باب من استرعی رعیتہ، ص:۱۰۵، مجلس)

یعنی جوراعی اپنے حدود میں رہتے ہوئے اپنی رعیتوں کے لیے عدل وانصاف قائم نہ کرے ،ان کوان کے حقوق سے محروم کردے ، ان کی زیرنگرانی رہنے والے لوگ اس کے ظلم وستم کے شکار ہوں تووہ حاکم وحکمراں ،سلطان وبادشاہ ہوتے ہوئے بھی غدار وستم کار ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اس پر آخرت کی آسائش کو حرام فرمادیا ہے ،وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔ موجودہ دور کے حکمراں طبقہ اپنی راحت و آرام کے لیے سب کچھ مہیا کرلیتا ہے ،اوراس کے برعکس اپنی رعیت سے بے خبری و بے فکری ان کا شعار بن چکی ہے ،اگر یہ طبقہ صرف نظام عدل وانصاف قائم ونافذ کردے تو دنیا سے ہر طرح کے ظلم وستم کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

جانوروں کے حقوق: اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوقات میں ایک طبقہ جانوروں کا بھی ہے ،جنھیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیدا فرمایا ہے ،انسان ان سے اپنی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح انسانی حقوق کا درس دیا ہے اسی طرح جانوروں کے حقوق کو بھی واضح طور پر بیان فرمایا ہے ،اوران کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔

ان بے زبان جانوروں کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو اور مناسب طریقے سے ان پر سواری کرو،اور مناسب طریقے سے ان کو چھوڑ دو۔(سنن ابی داوود،کتاب الجهاد،باب ما یؤمربه من القیام علی الدواب، ص:۴۰۸، دارالکتب العلمیة)

روایتوں میں ملتا ہے کہ آپ نے مختلف چوپائے پر سواری کی ہے ،آپ اپنے دست مبارک سے ان کی خدمت کرتے تھے ،اوران کو ذرہ برابر تکلیف پہنچنا برداشت نہیں کرتے تھے ،آپ کے رحم وکرم کا معاملہ یہ تھا کہ انسان تو انسان جانور بھی آپ کی بارگاہ اقدس میں فریادی بن کر اپنی مظلومیت کا اظہار کرتے تھے اورآپ ان کی پریشانیوں کو حل فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بارایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے ،تواچانک آپ نے ایک اونٹ کو ہنہناتے اور روتے ہوئے دیکھا،آپ اس کے پاس آکر اس پر اپنا دست شفقت پھیرا تووہ خاموش ہوگیا، پھرآپ نے فرمایا:اس اونٹ کا مالک کون ہے ؟،یہ کس کا اونٹ ہے ؟تو ایک جوان انصاری آیا اوراس نے کہا کہ میرا ہے یارسول اللہ!آپ نے ارشاد فرمایا:کیاتم ان بے زبان مویشی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے خوف نہیں کھاتے ہو جن کا اللہ تعالیٰ نے تمھیں مالک بنایا ہے،اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا پیاسا رکھتے ہو،اوراس سے خوب محنت لیتے ہو۔(سنن ابی داوود، کتاب الجهاد، باب مایؤمربه من القیام علی الدواب، ص:۴۰۸،دارالکتب العلمیة بیروت)

معاشرت:

معاشرت کہتے ہیں ایک ساتھ مل کر زندگی بسر کرنے کو، جو انسانی زندگی کا ایک لازمی حصہ ہے ،معاشرے کا ہر انسان اپنی پیدائش سے لے کر اپنی موت تک ایک دوسرے کا محتاج رہتا ہے ،یعنی معاشرہ آپسی تعاون وہمدردی کا تقاضا کرتا ہے ،خواہ شہری معاشرہ ہو یا دیہاتی، ہر معاشرہ افراد واشخاص سے تیار ہوتا ہے ،معاشرے کی ترقی و

کامیابی اور تنزلی وناکامی کا مدار افراد کے اچھے برے ہونے پر ہے، جو معاشرہ جس قدر فساد سے دور اور اصلاح سے قریب ہوگا اس قدر وہ معاشرہ ترقی کی شاہ راہ پر گامزن رہے گا، اس کے لیے ضروری ہے کہ تمام لوگ ایک دوسرے کے بارے میں حسن ظن رکھیں، دوسرے کے کاموں میں بے جا مداخلت نہ کریں، بلکہ تعاون و ہمدردی، صلاح و مشورہ سے سب کو شادو آباد رکھیں۔ سماج میں رہنے والا انسان فطری ودائمی طور پر متعدّد ایسی چیزوں کا سامنا کرتا رہتا ہے جن سے دامن چھڑانا محال ہے جیسے چھینک، جماہی، وضع قطع، آپسی مل جل، اجتماعی وانفرادی رسم ورواج، وغیرہ۔ جماہی شیطان کی طرف سے ہے، اور چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو تمام انسانوں کے لیے رب کی طرف سے ایک بہت بڑی نعمت ہے، ہم اگر ان دونوں کے آداب کو بجالائیں تو اس کا ایک اچھا اثر پڑے گا۔

نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے، اور جماہی کو ناپسند کرتا ہے، تو جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو جہاں تک ہو سکے وہ اسے روکے اور ہاہ ہاہ نہ کہے، اس لیے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے، وہ اس سے ہنستا ہے۔ (سنن ابی داؤود، کتاب الأدب، باب ماجاء فی التثاؤب، ص:۷۸۵، دارالکتب العلمیة بیروت)

حضرت ابو ہریرہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے الحمد للہ کہنا چاہیے، اور اس کے ساتھی کو یرحمك الله کہنا چاہیے، اور چھینکنے والے کو جواباً کہنا چاہیے، یهدیکم الله ویصلح بالکم۔ (سنن ابی داؤود، کتاب الأدب، باب ماجاء فی تشمیت العاطس، ص:۷۸۶، دارالکتب العلمیة، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک صاحب نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا: کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ ہے کہ تم کھانا کھلاؤ، اور سلام کرو اسے جسے جانتے ہو اور اسے بھی جسے نہیں جانتے ہو۔ (سنن ابی داؤود، کتاب الادب، باب افشاء السلام، ص۸۰۹/ خ، کتاب الاستیذان، باب السلام للمعرفة وغیرا للمعرفة، ص:۹۲۱، دارالکتب العلمیة، بیروت)

محبت کے بنیادی عنصر سلام کو بتایا گیا ہے، اور اس میں اضافہ کے لیے اسلام نے مصافحہ کا طریقہ دیا ہے، مصافحہ متعدّد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، لیکن اس کے باوجود اس دور میں کچھ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور اس سے منع کر کے لوگوں کو ایک احسن طریقہ سے دور کرتے ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان ملاقات کے وقت مصافحہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بجالائیں، اور اس سے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو بخش دیتا ہے۔ (سنن أبي داؤد، کتاب الأدب، باب فی المصافحہ، ص:۸۱۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

حضور ﷺ بغیر کسی امتیاز وتفریق کے ہر امیر وغریب کی دعوت قبول فرماتے، اور خوش دلی کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے، بسا اوقات ہدایا وتحائف بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

جسے دعوت دی گئی اور اس نے قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، اور جو بغیر دعوت کے چلا گیا تو وہ سرقہ بازی کرتے ہوئے داخل ہوا اور غارت کرتے ہوئے نکلا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمة، باب ماجاء فی اجابة الدعوة، ص:۵۹۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

آپ کے کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ کھانا تناول فرمانے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو گٹو سمیت دھو لیتے تھے پھر دسترخوان پر تشریف لے جاتے، اور اللہ کا نام لے کر شروع فرماتے، اور جو بھی میسر ہوتا آپ اسے تناول فرماتے، اور جب اٹھتے تو شکرانے کے طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بجالاتے، مل جل کر کھانا آپ کو بہت پسند تھا۔

آپ فرماتے ہیں کہ مل کر کھایا کرو، اور اللہ کے نام سے ابتدا کرو، اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تمھارے کھانے میں برکت دے گا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الأطعمة، باب ماجاء فی الاجتماع علی الطعام، ص:۵۹۷، دارالکتب العلمیة بیروت)

چلنے پھرنے اوراٹھنے بیٹھنے کے آداب:

حضرت فاروق اعظم، حضرت علی مرتضی اور حضرت ابو ہریرہ جیسے کبار صحابہ بیان کرتے ہیں کہ آقا علیہ السلام جب چلتے تو قدم جما کر رکھتے اور پوری قوت کے ساتھ اٹھاتے، اتنا تیز چلتے کہ بسا اوقات ساتھ والے پیچھے رہ جاتے تھے، قدم رکھنے کا یہ انداز تھا کہ گویا آپ کسی زینہ سے اتر رہے ہیں، یعنی مکمل وقار کے ساتھ چلتے تھے۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی سرعت رفتار

بیان کرتے ہوئے فرمایاکہ رحمت عالم ﷺ جب چلا کرتے تو یوں معلوم ہوتا کہ بلندی سے نشیب کی طرف جارہے ہیں ،اور جب حضور ﷺ چلا کرتے تو قدم جما کر نیچے رکھتے جس سے پتہ چلتا کہ حضور جلدی میں نہیں ہیں۔

(ضیاء النبی ،پنجم ،ص: ٥٢٤ .فاروقیه بکڈپو)

با ادب معاشرے کی خوبیوں میں سے یہ ہے کہ لوگ آداب مجلس کو بجالاتے ہیں ،بڑوں کو ان کا مرتبہ دیتے ہیں ،مجلس میں آنے والوں کے لیے جگہ کشادہ کرتے ہیں ،اس کی مکمل تعلیم ہمیں آپ کے طور طریقے میں بھی ملتی ہے ،آپ جب کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہی بیٹھ جاتے تھے ،اور اگر کوئی آتا تو خود اس کے لیے جگہ کشادہ کردیتے تھے ،آداب مجلس کی بھرپور رعایت کرتے تھے ،افہام وتفہیم کے لیے صاف صاف کلام فرمایا کرتے تھے اور ایک بات کو بار بار دہراتے تھے ،آپ سے مروی ہے کہ کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ دو آدمی کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر تفریق ڈالے۔(سنن ابی داؤد،کتاب الأدب ،باب فی الرجل یجلس بین الرجلین)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: کوئی آدمی کسی شخص کو اٹھاکر اس کی جگہ نہ بیٹھے ،ہاں جگہ کشادہ کرو، تمھارے لیے جگہ کشادہ کی جائے گی۔(مسلم شریف ،ج۲، کتاب السلام،باب من أتی مجلسا،ص: ۲۱۷،مجلس برکات)

چلتے پھرتے ،اٹھتے بیٹھتے دعاوذکر الٰہی آپ کی عادت کریمانہ تھی،ایسی مجلس میں بیٹھنا نا پسند کرتے جس میں ذکر الٰہی کو ترک کردیا جائے۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی ایسی قوم نہیں ہے جو کسی مجلس سے اٹھے اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کرے مگر وہ بدبودار مردار گدھے کی طرح اٹھتی ہے ،اور اس قوم پر حسرت ہے۔ (سنن ابی داؤد،کتاب الادب ،باب کراهیة أن یقوم الرجل من مجلسه ولا یذکر الله ،ص: ٧٦٤، دارالکتب العلمیة بیروت)

اسی طرح آداب مجلس سے یہ ہے کہ لوگ مجلس میں ہونے والی باتوں کے امین ہوتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی کسی کے بارے میں مجھے کچھ نہ بتائے ،یقینا میں چاہتا ہوں کہ میں اس حال میں گھر سے نکلوں کہ میرا دل خوش رہے۔(سنن ابی داؤد،کتاب الادب ،باب فی رفع الحدیث من المجلس ،ص: ٧٦٢،دارالکتب العلمیة بیروت)

اسی طرح حسن معاشرت سے یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے تجسس وجاسوسی میں نہ لگیں ،ان کی برائی نہ کریں ،فحش نہ بکیں ، جہالت وحماقت اور کمینگی وشرارت سے اجتناب کریں ،گفتگو کرے تو نرمی کو لازم پکڑیں ،تاکہ دوسروں کے لیے سننا سمجھنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہو ایسے ہی ان کو چاہیے کہ اپنے وضع قطع کو درست رکھیں ، باطنی امراض کے ساتھ ظاہری گندگیوں سے بھی بچیں ،کہ دوسرے افراد گھن محسوس نہ کریں ،نفرت کی آگ نہ پھیلائیں ،آسانیاں پیدا کریں،سختیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ جب کسی کو کسی کام کے لیے بھیجتے تو ہدایت فرماتے تھے کہ بشارت وخوشخبری دو، نفرت نہ پھیلاؤ، آسانیاں پیدا کرو، سختیاں دور کرو۔

(سنن ابی داؤد،کتاب الادب ،باب کراهیة أن یقوم الرجل من مجلسه ولا یذکر الله ،ص: ٧٦٤،دارالکتب العلمیة بیروت)

ان حقوق کے علاوہ مقدمات وفیصلے ،لین دین ،بیع وشراء ،ناپ تول، صلح ومفاہمت اور کسب معاش کے امور ومعاملات اسی قسم میں آتے ہیں، مذکورہ بالا ارشادات وتعلیمات کی روشنی میں ان ہدایات وتعلیمات کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو حضور ﷺ سے ان ابواب میں مروی ہیں ۔اسی طرح احادیث وسنن میں طہارت وپاکیزگی ،ریاضت ومجاہدہ ،توبہ واستغفار اور اصلاح ظاہر وباطن پر مشتمل جملہ شعبہائے حیات کے تعلق سے تعلیمات وہدایات موجود ہیں ،جن پر چل کر ہر دور کا آدمی فطری تقاضوں کے باوجود کامیاب وکامراں ہوسکتا ہے۔خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسانوں کو جواخوت ومحبت ،عدل وانصاف اور مساوات وبرابری کا درس دیا ہے ،اور اونچ نیچ کے سارے معیاروں کو ختم کرکے صرف تقویٰ کو معیار تکریم وترقی قرار دیا ہے ،وہ یقینا ہمارے لیے قابل عمل ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے نوازے۔ آمین۔

☆☆☆

داڑھی کی شرعی حیثیت

مولانا محمد افروز قادری

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کو ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں جو فطرت کے خلاف ہوں۔ عقائد وعبادات سے لے کر معاشرت و معاملات بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں فطرت کے تقاضوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ توجب داڑھی کا حکم دیا گیا تو وہاں بھی حسن فطرت اور تقاضاے فطرت کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا اور وہی بات کہی گئی جو عین فطرت ہے، اور جو عین فطرت ہے وہ عین انصاف ہے۔

داڑھی ایک ایسی عظیم شے ہے کہ جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پسند کیا، مصطفی جانِ رحمت ﷺ نے پسند کیا، فرشتوں نے پسند کیا، صحابۂ کرام نے سینے سے لگایا، چاروں اماموں نے اس کی حرمت کا اعلان کیا، اور بزرگوں نے اپنے چہروں کو اس سے زینت بخشی۔

داڑھی بلاشبہہ مردوں کی زینت، اسلام کا شعار اور انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت کریمہ ہے۔ اب اسلام مخالف قوتیں جو اسلام کے ہر مسئلے کا مذاق اُڑانے میں سرگرداں ہیں؛ وہ بھلا داڑھی جیسی عظیم سنت نبوی کے معاملے میں کیسے خاموش رہ سکتی تھیں!، چنانچہ انھوں نے اِس سلسلے میں خوب لے دے مچایا؛ مگر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اَغیار کے پروپیگنڈوں کی تشہیر میں کچھ نام نہاد مسلمان بھی اپنا رول اَدا کررہے ہیں؛ حتیٰ کہ بعض پیر فقیر، بعض مولوی، نام نہاد اور ٹیڈی مجتہد داڑھی کی اہمیت گھٹانے میں اُن سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی نے اٹھارہ آیاتِ مقدسہ، بہتر احادیث مبارکہ اور کوئی ساٹھ بزرگان دین کے اقوال شریفہ کی روشنی میں داڑھی بڑھانا واجب اور مونڈنا، یا کترواکر ایک مٹھی سے کم کر دینا حرام ثابت کیا ہے۔ تفصیل کے لیے 'لمعة الضحیٰ في إعفاء اللحیٰ' دیکھیں۔

رونا تو یہی ہے کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں داڑھی منڈانے کا گناہ شیرمادر سے بھی زیادہ لذیذ ہوگیا ہے؛ مستزاد یہ کہ بعض طبیعتیں اِس کو گناہ بھی نہیں سمجھتیں؛ حالانکہ فقہاے کرام کی تصریح کے مطابق داڑھی منڈانا اور کم کرنا، ناک اور کان کٹوانے کی مانند ہے۔ فرق صرف اِتنا ہے کہ ناک اور کان کٹنے سے انسان نفرت کرتا ہے، اور داڑھی منڈوانے اور کم کرنے والے سے اللہ و رسول نفرت کرتے ہیں۔ اسے ذی ہوش شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ داڑھی منڈواکر یا چھوٹی رکھواکر کون سا اہم کردار اَدا کررہا ہے۔

بڑے دکھ کی بات تو یہ ہے کہ یہ بڑا عیب ہمارے مشائخ کرام اور علماے عظام کے جانشینوں میں بہت زیادہ پھیل گیا ہے۔ ایسے سنگین حالات کو دیکھ کر ایک بزرگ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ مجھے ایسے لوگوں کو دیکھ کر جو حضور اقدس ﷺ کی صورت کے خلاف اپنی صورت بناتے اور داڑھی منڈاتے ہیں، یہ خیال ہوتا ہے کہ موت کا مقرر وقت کسی کو معلوم نہیں اور اس حالت میں اگر موت واقع ہوئی تو قبر میں سب سے پہلے سید الرسل ﷺ کے چہرۂ انور کی زیارت ہوگی تو وہ کس منہ سے چہرۂ انور کا سامنا کریں گے۔

فرمان رسالت مآب علیہ السلام ہے:

لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن .

یعنی زناکار جب زنا کرتا ہے تو وہ اس وقت مومن نہیں ہوتا۔

مشائخ نے اس حدیث کا مطلب یہ لکھا ہے کہ زنا کے وقت ایمان کا نور اس سے جدا ہوجاتا ہے، لیکن زنا کے بعد وہ نورِ ایمانی پھر مسلمان کے پاس آجاتا ہے؛ مگر قطعِ لحیہ ایسا گناہ ہے جس کا اَثر اور ظہور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔ نماز پڑھتا ہے تو بھی یہ گناہ ساتھ ہے۔ روزہ کی حالت میں، حج کی حالت میں، غرض ہر فرض ہر عبادت کے وقت یہ گناہ اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

عَشَرَةٌ مِنَ الفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ. (مسلم، ترمذي، ابن ماجة، ابوداؤد)

یعنی دین فطرت میں دس چیزیں ہیں: لبیں تراشنا اور داڑھی بڑھانا۔

فطرت کے بہت سے معانی میں سے ایک سنن انبیا بھی ہیں یعنی یہ دس چیزیں جن میں مونچھوں کا کٹوانا اور داڑھی کا بڑھانا بھی ہے جملہ انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں سے ہیں، جن کی اِقتدا کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ یہ دراصل اشارہ ہے قرآن پاک کی آیتِ شریفہ: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ کی طرف۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ داڑھی رکھنا ایک شرعی حکم ہے، اور اس میں تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موافقت ہے: لہٰذا جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عرب میں چونکہ داڑھی رکھنے کا دستور تھا اس لیے آپ نے عادت کے طور پر اس کا حکم فرمایا ہے، یہ خیال درست معلوم نہیں ہوتا۔ مشہور حدیث پاک ہے:

خالفوا المشرکین اوفروا اللحی واقصوا الشوارب وفی روایة: انھکوا الشوارب واعفوا اللحی۔(متفق علیہ۔)

یعنی تم مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھیوں کو زیادہ کرو اور مونچھوں کو کٹاؤ۔

اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھی بڑھانے یا زیادہ کرنے میں، اور مونچھیں کٹانے میں۔ یعنی داڑھی کا بڑھانا اور زیادہ کرنا اس انداز سے ہو کہ اس میں مشرکوں کی مخالفت پائی جائے اور وہ ایک مٹھی کے برابر داڑھی بڑھانے میں محقق ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ مشرکین یا تو داڑھیاں بالکل جڑ سے یعنی اُسترے سے منڈواتے تھے یا کچھ تھوڑی رکھتے تھے جیسے کہ آج بھی مسلمانوں میں اس قسم کے لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں۔

ایک وہ ہیں جو داڑھی کا بالکل صفایا کرتے ہیں اور یہ عمل بعض تو ہر روز کرتے ہیں اور بعض دو، تین دن کے بعد، اور بعض داڑھی کے کچھ کچھ بال منہ پر نمودار کر لیتے ہیں؛ مگر حد ایک مشت سے کم اور اس قسم کی داڑھی اسلامی داڑھی نہیں بلکہ فیشنی داڑھی ہے کہ قینچی کے ساتھ ہر طرف سے اس کی سطح برابر کرواتے ہیں اور اس کو ایک مٹھی تک بڑھنے کا موقع ہی نہیں دیتے۔

دوسری حدیث پاک میں یوں آتا ہے:

اعفوا اللحی وجزوا الشوارب وغیروا شیبکم ولا تشبھوا بالیھود والنصاریٰ۔(کنز العمال)

یعنی داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کاٹو اور بالوں کی سپیدی کو بدلو اور یہود و نصاریٰ کے ہم شکل نہ بنو۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ داڑھی منڈوانا یا چھوٹی کرنا خدا اور رسول اور مسلمانوں کے دشمنوں کی علامت ہے، اور داڑھی رکھنا خدا و رسول کے محبوبوں کی نشانی ہے، اور یہ سب کو معلوم ہے کہ دشمنوں کی نشانی کے مطابق زندگی گزارنا دشمنوں سے اندرونی سازباز کی علامت ہے۔ آج اگر کوئی اپنے ملک میں ہندو کی طرح سر پر چوٹی اور چادر کی بجائے لنگوٹی باندھے تو اسے کیا سمجھا جائے گا۔ ایسے ہی داڑھی منڈوانا یا کم کرنا اور یہود و نصاریٰ و مجوس اور ہیجڑوں کا ہم شکل ہو کر خدا اور رسول کے دشمنوں کی صف میں شمار ہونا کون گوارہ کر سکتا ہے!۔ ایک اور حدیث پاک میں آتا ہے:

فسبحنه ما اسخف عقول قومٍ طولوا الشارب واعفوا اللحیٰ عکس ما علیه فطرة جمیع الأمم قد بدلوا فطرتهم نعوذ بالله۔

یعنی سبحان اللہ! ان لوگوں کی عقلیں کس قدر بے مایہ ہیں جنھوں نے مونچھیں بڑھائیں اور داڑھیاں پست کیں، پچھلی قوموں کی جو فطرت ہے، انھوں نے اس کے بالکل برعکس کیا، اپنی فطرت و خلقت ہی بدل دی۔ خدا کی پناہ!۔

فطری ودیعتیں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں نوع انسانی میں رنگوں کے اختلاف اور زبانوں کے اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں قرار دیا ہے۔ داڑھی فطری ودیعت اور اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ اسی لیے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ۔

(القرآن الکریم، سورۂ مائدہ: ۵، ۲)

اے ایمان والو! اللہ کی نشانیاں نہ مٹاؤ۔

شعائر اللہ کا یہ احترام ہی تھا جس نے حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجبور کیا کہ وہ اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمائیں:

يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي۔

(القرآن الکریم، سورۂ طٰہٰ، ۲۰، ۹۴)

اے میرے ماں جایے، میری داڑھی تو نہ پکڑو!۔

قرآنی آیات اور احادیث طیبہ سے پتا چلتا ہے کہ داڑھی رکھنا کوئی نئی چیز نہیں بلکہ داڑھی منڈانا ایک نئی چیز ہے، اور تمام انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اُمتیں داڑھی رکھتی چلی آئی ہیں، اِسلام دینِ فطرت ہے اور

ہر نبی نے اسی دین فطرت کا پرچار کیا۔ دین فطرت میں کوئی بات غیر فطری ہو ہی نہیں سکتی بلکہ یہ تو ان باتوں کو مٹانے کے لیے آیا ہے جو فطرت کے تقاضوں کے خلاف ہیں اور ان باتوں کو قائم کرنے کے لیے جو عین فطرت ہیں۔

فقہ اسلامی کے چاروں اماموں نے داڑھی مونڈوانا حرام لکھا ہے، اور داڑھی رکھنا واجب۔ کوئی ایسا نہیں جس کا ذرہ برابر منڈوانے کی طرف جھکاؤ محسوس ہو۔ ہر مسلک فکر نے اس کا احترام کیا ہے اور اس کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا ہے۔ اب جو اماموں کی تقلید نہیں کرتا اس کے لیے قرآن وحدیث کے ارشادات کافی ہیں۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ دورِ رسالت مآب کے بعد سے دورِ صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور اس کے بعد کے ادوار میں گزشتہ تیرہ سو برس میں کسی ولی، صوفی، عالم، حافظ نے داڑھی کو صاف نہیں کرایا بلکہ عامۃ المسلمین میں اس کو حسن و جمال کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔

ہاں! چودھویں صدی کے آغاز سے انقلابات آئے اور ان آنکھوں نے بہت کچھ دیکھا۔ عرض کیا جا چکا ہے کہ داڑھی کو اگر صاف کرایا ہے تو یہودیوں نے، عیسائیوں نے، مجوسیوں نے، دہریوں نے اور ہندوؤں نے۔ اب یہ ہر مسلمان کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے اپنا دامن وابستہ کرنے کے بعد کیا وہ یہ پسند کرے گا کہ وہ راہ اختیار کرے جو خدا اور سول کے دشمنوں نے اختیار کی۔ عقل بھی یہی کہتی ہے اور دل بھی یہی کہتا ہے کہ ایسا نہ کرنا چاہیے۔ محبت ہوتے ہوئے دشمن محبوب کی چال پر چلنا ناممکن ہے۔

یہاں ایک امر نہایت اہم اور قابل تنبیہ یہ ہے کہ بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ جو داڑھی منڈانے کو تو معیوب سمجھتے ہیں۔ اور اس سے بچتے بھی ہیں؛ لیکن داڑھی کے کم کرنے اور کتروانے کو معیوب نہیں سمجھتے حالانکہ شریعتِ مطہرہ میں جس طرح داڑھی رکھنے کا حکم ہے، اسی طرح اس کی ایک مقدار بھی متعین ہے کہ جس سے کم کرنا شرعاً معتبر نہیں؛ کیوں کہ شریعت میں کوئی چیز بے پیمانہ نہیں، ہر چیز کا ایک پیمانہ ہے۔ ہر چیز کی ایک حد ہے۔ کوئی چیز لا محدود اور غیر معین نہیں۔

شریعت نے کوئی ایسی بڑی ذمہ داری عائد نہیں کی جو خلافِ فطرت اور فطرتِ انسانی پر گراں ہو۔ جو فرض عائد کیا گیا وہ تقاضائے فطرت ہے بلکہ عین فطرت کہ اسلام دین فطرت ہے۔ لمبی چوڑی داڑھی کی ضرورت نہیں، صرف ایک مشت کافی ہے جو ظاہری و معنوی حسن و جمال کو دوبالا اور شوکت و صولت کو دوچند کرتی ہے۔

اور وہ مقدار ایک قبضہ (مٹھی) ہے، اس سے کم رکھنا بالاتفاق تمام علما کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے، گو اس میں علما کا اختلاف ہے کہ اگر ایک قبضہ پر بڑھ جائے تو اس کو کم کرنا چاہیے یا نہیں۔

سرکارِ دوعالم ﷺ کے عظیم فدائی اور عمل بالسنۃ میں پیش پیش رہنے والی ممتاز ہستی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ کے حوالے سے آتا ہے: إن عبدالله بن عمر كان يقبض على لحيته و يقطع ماوراء القبضة. عناية.

یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے کر جتنی زیادہ ہوتی کاٹ دیتے۔ یہ تھے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ جو عمل بالحدیث میں ایسے حریص تھے کہ سر مو بھی اپنا عمل خلافِ سنت گوارہ نہ تھا، جیسا کہ اہل حدیث اور مورخین کو معلوم ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عرض و طول میں داڑھی کا کترنا اس مقدار اور کیفیت سے ہوتا تھا۔

روایتوں میں آتا ہے: كان يأخذ من لحيته طولا وعرضا على قدر قبضته.

یعنی حضور رحمت عالم ﷺ اپنی ریش مبارک سے لمبائی اور چوڑائی میں ایک مٹھی کے اندازہ کے بعد بال لیا کرتے تھے۔ اس روایت میں 'کان' کا لفظ آیا ہے جو فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے تو استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے۔ یہی اس کا حقیقی معنی ہے، اس کے برعکس ہو تو وہ مجاز ہوتا ہے جس کے لیے قرینہ ضروری ہے، اور یہاں کوئی قرینۂ مجاز کا نہیں ہے؛ اسی لیے یقیناً ثابت ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا دائمی عمل یک مشت داڑھی مبارک کا تھا۔

در مختار، فتح القدیر، اور بحر الرائق وغیرہ معتبر کتب فقہ میں لکھا ہے کہ جب تک داڑھی ایک مٹھی سے کم ہے اس میں سے کچھ کاٹنا یا کترنا جس طرح کہ بعض مغربی مخنث کرتے ہیں، یہ کسی کے نزدیک حلال نہیں اور سب لے لینا یعنی بالکل منڈوا دینا آتش پرستوں، یہودیوں، ہندوؤں اور بعض فرنگیوں یعنی انگریزوں کا فعل ہے۔

داڑھی کو چھوٹی کروا دینے والے بلکہ صاف کروا دینے والے لوگ فقہا و محدثین رحمہم اللہ کے ارشادِ بالا سے عبرت حاصل کریں۔ بلکہ عبرت بالائے عبرت تو یہ ہے جیسا کہ حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لمعۃ الضحیٰ میں حضرت سیدنا کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے کہ داڑھیاں کتریں

گے وہ نرے بدنصیب ہیں۔یعنی ان کے لیے دین میں کوئی حصہ نہیں اور آخرت میں بھی بے بہرہ ہوں گے'۔ گویا داڑھی کو کترواکر ایک مٹھی سے کم کردینے والے دین ودنیا اور آخرت میں بدنصیب ہیں۔

داڑھی بلا شبہہ غازۂ روے حیات، اورارشادِ خالق کائنات ہے، اس کے بننے بگڑنے کی تاریخ غالباً اتنی ہی پرانی ہے جتنی انسانی تاریخ؛ مگر جس کثرت سے گزشتہ اور موجودہ صدیوں میں بگاڑ پیدا ہوا ہے شاید ہی تاریخ کے کسی دور میں ہوا ہو۔ بہرکیف! داڑھی کا بنیادی مقصد تو اطاعت رسول اور پیروی پیغمبر ہی ہے؛ لیکن اگر دوسرے پہلوؤں پر بھی نظر ڈالی جائے تو بہت سے ذیلی مقاصد ومنافع سامنے آتے ہیں، گو یہ مقصودِ حقیقی نہیں۔

مثلاً روحانی لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ ایک ایسا عمل ہے جس کو اُمتِ مسلمہ نے چودہ سو سال سے سینے سے لگا رکھا ہے۔اس عمل کا سلسلہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر منتہی ہوتا ہے، تو اس عظیم سلسلے کے تصور ہی سے روح میں بالیدگی اور تازگی پیدا ہوتی ہے اور رفعت کا ایک احساس کروٹ لیتا ہے جو قومی ترقی کے لیے تریاق واکسیر ہے۔

جمالیاتی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ایک نیا زاویہ نظر آتا ہے، جمال کا تعلق بقا سے ہے، فنا سے نہیں تو جس نے بقا کی طرف قدم بڑھایا تو اس نے جمالِ حقیقی کی قدر پہچانی۔ فنا میں وہ لذت نہیں جو بقا میں ہے۔اور جمیل وہی ہے جو جمال کی قدر کرے۔

تمدنی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو داڑھی سے قومی تشخص قائم رہتا ہے، اور صدیاں گزر جانے کے باوجود اس کا ملی تشخص باقی رہتا ہے۔

معاشرتی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو داڑھی سے چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں، ہمارا وجود دوسروں کی نظروں میں مبہم نہیں رہتا، ہم چھپے نہیں رہتے، ہم عالم آشکار ہوجاتے ہیں۔ہم ہر جگہ جانے پہچانے جاتے ہیں۔

اقتصادی زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو داڑھی رکھنے سے بہت سا وقت اور روپیہ پیسہ بچ جاتا ہے جو بے فائدہ ضائع ہوجاتا ہے۔ ہر دانا وبینا انسان وقت اور پیسہ خرچ کرکے کچھ پاتا ہے مگر یہاں پاتا نہیں بلکہ کھوتا ہے۔

تہذیبی لحاظ سے دیکھا جائے تو داڑھی رکھنے سے انسان خود بخود شائستہ بن جاتا ہے، کوئی ایسی حرکت نہیں کرپاتا جو شائستگی کے خلاف ہو۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات کرتا ہے تو اس کا ضمیر خود اس کو ملامت کرتا ہے، اور ٹوکنے والے بھی برملا اس کو ٹوک دیتے ہیں۔ ہر شخص اس سے نیک توقعات رکھتا ہے؛ اس لیے وہ خود کو لیے دیے رہتا ہے۔

طبعی وطبی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو داڑھی مردانگی ورجولیت کو باقی رکھتی ہے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اگر سات نسلوں تک داڑھیاں صاف ہوتی رہیں تو آٹھویں نسل کے مرد، مرد نہیں رہیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ روزِ بد بنی نوع انسانی کے لیے ایک المیہ ہوگا۔

یہ تمام منافع وفوائد اپنی جگہ؛ مگر اطاعت وبندگی کی بہاروں کے سامنے ہر بہار ہیچ ہے۔ جب داڑھی رکھیں تو بس اسی نسبت سے رکھیں کہ یہ رحمت عالم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی نشانی ہے۔

(محبت کی نشانی بتغیر قلیل، از: پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی)

==================================

(ص:۴۹/ کا بقیہ)

سلام اے دلیل رہ مستقیم
حبیب، جلیل، خلیل، کریم
سلام اے امام نبی و ولی
تقی، نقی، صفی، وفی
تمنا نہیں دل میں اس کے سوا
علیک الصلوٰۃ اے نبی الوریٰ

ان اشعار میں حضرت آسیؔ نے بہ صورت سلام بارگاہ رسول میں محبت کی سوغات پیش کی ہے، چوں کہ یہ اشعار عشق حقیقی پر مبنی، مقصدیت و واقعیت سے بھرپور اور تصنع سے بہت دور ہیں؛ اس لیے سادہ، آسان اور رواں زبان استعمال کی گئی ہے، جو شاعر کے دلی جذبات اور احسنِ عقیدت کی غماز ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ایک شیدائی کو الفاظ کے پیچ وخم سے کوئی غرض نہیں ہوتی، اس کا مقصد اولیں محبوب تک صرف اپنی بات پہنچانا ہوتا ہے جسے وہ معراج زندگی سمجھتا ہے۔

====================================

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں
سلمان بک ڈیپارٹ
اینڈ کمپیوٹر گرافکس
متّصل منصف کورٹ،
قمر مارکیٹ، سنبھل (یوپی)

فتاویٰ عالمگیری کے دو گم نام مؤلف

علامہ رضی الدین و شیخ غلام محمد بھاگل پوری

محمد طفیل احمد مصباحی

صوبۂ بہار کے علمی و روحانی اور ادبی عظمت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔ ہندستان جنت نشان کے علمی مراکز میں دہلی و لکھنؤ کے بعد تیسرا اہم اور قابل ذکر مرکز عظیم آباد (پٹنہ، بہار) ہے۔ عظیم آباد صوبۂ بہار کا علمی و روحانی دارالسلطنت اور ادبی راجدھانی ہے۔ پروفیسر اختر اورینوی کے بقول: ”چھٹی صدی قبل مسیح سے پانچویں صدی بعد مسیح تک ایک ہزار سالہ دور ایسا گزرا ہے کہ سارے ملک ہند کی تاریخ پاٹلی پتر (عظیم آباد، پٹنہ، بہار) کے مرکز کے گرد گھومتی ہے اور اس عظیم شہر کے سیاسی زوال کے بعد بھی اس کا تہذیبی اقتدار زمانہ دراز تک قائم رہا۔ نہ صرف ملک کے اندر بلکہ ملک کے باہر بھی۔ جنوب مشرقی ایشیا اور مشرق وسطیٰ تک بودھ دھرم اور بہاری تہذیب کا اثر تھا۔ نالندہ اور وکرم شیلا کی یونیورسٹیاں، ایشیا میں علم و ثقافت کا مینار تھیں۔

(بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقا، ص: ۶۷، قومی کونسل، دہلی)

گلشن بہار میں، بہار ہر دور میں قائم و باقی رہی۔ علم و حکمت، تہذیب و ثقافت، صنعت و حرفت، سیاست و صحافت، تحقیق و تنقید اور ادب شاعری غرض کہ کوئی شعبۂ حیات اور زاویۂ فکر و فن ایسا نہیں جس میں فرزندان بہار نے اپنی بے مثال خدمات کے گہرے نقوش نہ چھوڑے ہوں۔

عظیم آباد (پٹنہ) کے زیر اثر صوبۂ بہار کے دیگر اضلاع و قصبات بھی علم و حکمت، تہذیب و ثقافت، ارباب شریعت و طریقت اور رجال شعر و ادب کی انجمن سے آباد ہیں۔ بہار کے مشرقی اضلاع میں شہر بھاگل پور ایک منفرد اور ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔

”فتاویٰ عالم گیری کے دو گم نام مؤلف یعنی علامہ رضی الدین بھاگل پوری و شیخ غلام محمد بھاگل پوری“ کے مختصر احوال ہدیہ قارئین ہیں۔ یہ دونوں بزرگ ضلع بھاگل پور بہار سے تعلق رکھتے ہیں۔ ریاست بہار میں ضلع بھاگل پور کو ”ریشمی شہر“ ہونے کے علاوہ علم و ادب، شعر و سخن اور شریعت و معرفت کا نگر ہونے کا شرف حاصل ہے۔

ریشمی شہر بھاگل پور:

سرزمین بھاگل پور زمانۂ قدیم سے علم و حکمت، معرفت و روحانیت اور ادب شاعری کا گہوارہ رہا ہے۔ صوبۂ بہار کا یہ مبارک و مسعود خطہ، دینی، ملی، علمی، روحانی اخلاقی اور تہذیبی و ثقافتی جہتوں سے اپنے دامن میں ایک زرّیں تاریخ، انفرادی شان اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ مطلع ہند پر جب سے اسلام کا سورج طلوع ہوا اور اس کی کرنوں سے ملک کا گوشہ گوشہ منور ہوا، تو شہر بھاگلپور نے بھی اس روشنی سے اکتساب فیض کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بھاگل پور شروع ہی سے علم و فضل کا گہوارہ، ولایت و روحانیت کا مسکن، ادب و ثقافت کا منبع اور تبلیغ و ہدایت کا مرکز رہا ہے۔

بلا مبالغہ اس شہر نے بڑے بڑے شیوخ عصر، فضلائے دہر، نام ور محدثین، جلیل القدر فقہا، بالغ النظر مفتیان دین اور بے شمار مدرسین، محققین اور ادبا و مفکرین کو جنم دیا ہے۔ یہاں کی خاک سے بے شمار علما و مشائخ، ارباب فضل و کمال، اساطین علم ولایت، صاحبان فکر و دانش، سخن وران ملت اٹھے اور آسمان فضل و کمال پہ آفتاب و مہتاب بن کر چمکے۔ شہباز ولایت، سلطان العارفین حضرت شہباز محمد بھاگل پوری علیہ الرحمہ نے بھاگل پور کی عظمت و شہرت کو زمین کی پستی سے اٹھا کر آسمان کی بلندی تک پہنچا دیا۔ آپ کے تلمیذ رشید اور مرید و خلیفہ حضرت علامہ شیخ رضی الدین بھاگل پوری سرزمین بھاگلپور کا وہ نام ور سپوت ہے جو فقہی حنفی کے عظیم انسائیکلوپیڈیا ”فتاویٰ عالم گیری“ کی ترتیب و تدوین میں پیش پیش رہے اور فقہ و فتاویٰ کی اس گراں قدر کتاب کے ”مرتبین“ میں شمار کیے گئے، شہزادہ خرّم، تاج محل کے بانی، ہندوستا جیسی عظیم سلطنت کے بادشاہ، شاہ جہاں بن جہاں گیر حکومت و اقتدار کی بھیک مانگنے کے لیے شیخ شہباز محمد کے پاس بھاگل پور ہی آئے تھے۔

بھاگل پور کی دھرتی ہمیشہ اس بات پر ناز اور فخر کرے گی کہ اس کے معدن خیرات و برکات میں بڑے بڑے اساطین علم و حکمت،

سب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور۔ tufailmisbahi@gmail.com

شہبازان طریقت اورر اولوالعزم اولیاے امت محو خواب ہیں۔ ہندستان کے نقشے پر جب سے یہ شہر آباد ہے، تب سے یہاں علم وحکمت کے قافلے آباد ہیں۔ ہر دور میں یہاں کے علماو فضلا نے دین و دانش، سلوک ومعرفت اور ادب وثقافت کی ترویج اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ فتاویٰ عالم گیری جیسی مایہ ناز کتاب کی تدوین و تالیف میں بھاگل پور کے دو عالم ومفتی کا شامل وشریک ہونا عظمت بھاگل پور کی ایک مضبوط دلیل ہے۔ غرض کہ علوم وفنون کی تبلیغ وتوسیع، دین ومذہب کی نشر واشاعت، سلوک وتصوف کے فروغ واستحکام اور علمی وعملی جہاد کی ایک عظیم تاریخ بھاگل پور کے علما ومشائخ کی ذات قدسی صفات سے وابستہ ہے۔ یہ مبارک شہر اپنے تہذیبی آثار، ثقافتی مناظر، بزرگان دین کے آستانوں اور اولیاء اللہ کے قدیم مزارات کے اعتبار سے قابل دید اور لائق نظارہ ہے۔

فتاویٰ عالم گیری کے مؤلفین میں تقریباً ۳۵/علما وفقہا کے اسما، تذکرہ وسوانح کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان میں بعض ہی خوش بخت علما ایسے ہیں جن کے تفصیلی حالات ملتے ہیں۔ باقی اکثر کے حالات پردۂ خفا میں ہیں یا پھر نہایت ہی اختصار کے ساتھ کتابوں میں درج ہیں۔

عمدۃ الفقہا حضرت علامہ شیخ رضی الدین بھاگل پوری وحضرت علامہ شیخ غلام محمد بھاگل پوری علیہما الرحمہ کے احوال وآثار اور ان کی حیات وخدمات کی تفصیل نہیں ملتی۔ فتاویٰ عالم گیری جیسی مہتم بالشان اور بلند پایہ فقہی کتاب کے مرتب ومؤلف کی حیثیت سے ان دونوں بزرگوں کے نام اور کام تاریخ کے سینے میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ خیر یہ بھی غنیمت ہے، ورنہ ہماری غفلت اور تساہلی کے باعث سینکڑوں علما ومشائخ، رجال شریعت وطریقت اور ارباب علم وحکمت ہمیشہ کے لیے گمنامی کے قبرستان میں دفن ہوگئے اور آج حال یہ ہے کہ نئی نسل ان کے نام سے بھی واقف نہیں۔ اللہ رحم فرمائے۔

علامہ شیخ رضی الدین بھاگل پوری:

عمدۃ الفقہا حضرت علامہ شیخ رضی الدین بھاگل پوری قدس سرہ (متوفیٰ: ۱۰۹۶ھ) عہد اورنگ زیب عالم گیر کے مشہور فقہا اور یگانۂ عصر فضلا میں تھے۔ علم وفضل، حکمت وکمال اور شجاعت و بہادری میں اپنے مثال آپ تھے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے موصوف کے علمی جاہ وجلال اور شجاعت و بسالت میں رتبۂ کمال پر فائز ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ بھاگل پور کی مشہور علمی وادبی شخصیت جناب محمد اسلام احمد شاہی کے بقول: آپ کا آبائی وطن "پورینی" ہے۔ شیخ رضی الدین کے آباءواجداد عہد جہاں گیری وشاہ جہانی میں پورینی کے عہدۂ قضا پر مامور تھے۔ آپ ایک علمی خاندان کے چشم چراغ تھے۔

مولانا جہاں گیر خان صاحب (ڈھمرا، بانکا، بہار) نے راقم الحروف کو بتایا کہ: میں نے حضرت مولانا مفتی شاہ جہاں بھاگل پوری، مولانا ساجد اللہ اور مفتی شمس الضحیٰ (حسین آباد، بھاگل پور) کی زبانی سنا ہے کہ علامہ شیخ رضی الدین بھاگل پوری، جو فتاویٰ عالم گیری کے مؤلفین میں سے ہیں، ان کا مقام ولادت اور آبائی وطن شیخ پورہ (کجریلی، بھاگل پور) ہے۔

بہر کیف! گاؤں جو بھی ہو، ان کا "بھاگل پوری" ہونا مسلم ہے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے اساتذہ سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے شہباز ولایت، سلطان العارفین حضرت شہباز محمد بھاگل پوری علیہ الرحمہ (متوفیٰ: ۱۰۵۰ھ) کی خدمت میں خانقاہ شہبازیہ، ملا چک، بھاگل پور تشریف لے گئے۔ اور مروجہ علوم فنون میں مہارت وبصیرت اور رتبۂ کمال حاصل کر کے عہد اورنگ زیب کے علماے فحول اور جلیل القدر فقہا میں شمار کیے گئے۔

بھاگل پور کے مایہ ناز فقیہ، عظیم مجاہد اور شجاع و بہادر عالم دین حضرت علامہ شیخ رضی الدین بھاگل پوری علیہ الرحمہ شیخ شہباز محمد بھاگل پوری کے تلمیذ رشید اور مدرسہ شہبازیہ خانقاہ شہبازیہ بھاگل پور کے سند یافتہ عالم وفاضل تھے، جو آگے چل کر سلطان اورنگ زیب عالم گیر کے منظور نظر، مغل سلطنت کے محتسب اور فتاویٰ عالم گیری کے مؤلفین میں شامل ہوئے اور پورے شہر بھاگل پور کے لیے سند افتخار ثابت ہوئے۔

پروفیسر لطف الرحمٰن لکھتے ہیں: فتاویٰ عالم گیری کے مؤلفین ہندوستان کے منتخب فضلا تھے، شیخ رضی الدین کی اس گروہ میں شمولیت ان کے کمال علوم وافضال کی فی نفسہ ایک روشن دلیل ہے۔ یہ طرۂ امتیاز بھاگل پور کی خاک کو حاصل رہا کہ اورنگ زیب عالم گیر کی نگاہ انتخاب بھی بھاگل پور کی معترف رہی۔

(ماہنامہ سہیل، گیا، ۱۹۶۸ء، ص: ۷۰، بھاگل پور کا ادبی ماحول نمبر)

شیخ رضی الدین کو اپنے استاذ شہباز محمد بھاگل پوری سے غایت درجہ محبت وعقیدت تھی۔ اسی عقیدت کے نتیجے میں استاذ سے بیعت ہوگئے اور اجازت وخلافت سے بھی نوازے گئے۔ شیخ شہباز محمد کے جملہ تلامذہ وخلفا میں آپ کو ایک بلند ترین مقام حاصل ہے۔ حکیم سید عبد الحی رائے بریلوی نے بھاگل پور کو علماء وشرفاء کا

مسکن بتایا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

بھاگل پور بلدة معروفة یسکن بھا العلماء والاشراف" (الھند فی العھد الاسلامی ، ص ۱۵۰)

شیخ رضی الدین بھاگل پوری بھی فضلائے بہار اور شرفائے بھاگل پور میں سے ایک ہیں۔

شیخ رضی الدین کے مختصر احوال و آثار سے متعلق قدیم ترین ماخذ "مآثر عالم گیری" ہے۔

اس کے مصنف مستعد خان ساقی لکھتے ہیں:

"شیخ رضی الدین بھاگل پوری ، بہار کے شرفا میں تھے ، یہ فاضل " فتاویٰ عالم گیری " کے مؤلفین میں شامل تھے ۔ تین روپیہ یومیہ ان کی تنخواہ مقرر تھی ۔ شیخ رضی الدین علاوہ ایک فاضل متبحر ہونے کے فن سپاہ گری میں کامل تھے اور عمل داری و وندیکی و غیرہ کمالات میں بھی ان کو دست گاہ حاصل تھی۔

(مآثر عالم گیری، ص:۶۲، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد)

شہباز محمد بھاگل پوری سے تکمیل علوم کے بعد کہاں کہاں خدمات انجام دیں اور زندگی کے پیشتر ایام کہاں گذارے ؟ نیز آپ کے دیگر اساتذہ و تلامذہ اور اولاد و احفاد وغیرہ سے متعلق تفصیلات نہیں ملتیں۔ البتہ سیرت و سوانح کی کتابوں میں آپ کے علم و فضل، شہرت و مقبولیت اور شجاعت و بہادری کے مختصر تذکرے موجود ہیں۔

نزہۃ الخواطر جلد پنجم، ص: ۱۵۲ میں آپ کا ذکر جمیل موجود ہے۔ مصنف نزہۃ الخواطر نے آپ کو عالم و فاضل ، فقیہ اور علمائے فحول میں شمار کیا ہے اور آپ کے علم و فضل ، شہرت و مقبولیت اور قرار واقعی حیثیت کا اعتراف کرتے ہوئے دینی علوم اور عصری فنون میں آپ کے مقام امتیاز کو اجاگر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" الشیخ العالم الفقیه رضی الدین الحنفی البھاگل پوری احد العلماء الفحول، اشتغل و تمیز با لعلوم حتیٰ اشتھر ذکره وظھر فضله بین العلماء فاستخدمه عالم گیر (اورنگ زیب) فی تالیف "الفتاویٰ الھندیه" ووظف له ثلاث روبیات یومیة .(نزھة الخواطر، جلد ، ۵/ ص۱۵۲/ دائرة المعارف العثمانیه ، حیدرآباد)

شجاعت و بہادری اور جنگی مہارت :

اللہ تعالیٰ نے شیخ رضی الدین بھاگل پوری کو بہت سارے اوصاف و کمالات سے نوزا تھا۔ دینی تفقہ ، علمی تبحر ، ذہانت و ذکاوت اور فہم و فراست کے علاوہ شجاعت و بسالت ، ہمت و جرات ، جنگی مہارت اور حرب و قتال میں آپ کو ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ اکثر تذکرہ نگارون نے آپ کی شجاعت بہادری اور حرب وضرب میں استادانہ کمال کا ذکر کیا ہے ۔ عہد اورنگ زیب کی مختلف لڑائیوں میں حصہ لیا اور اپنی شجاعت و بہادری اور ہمت و جواں مردی کے جوہر دکھائے اور کفار و مشرکین کو شکست و ہزیمت سے دوچار کیا۔

نزہۃ الخواطر میں ہے:

كانت له مهارة فی فنون شتیٰ من الحرب والسیاسة و المحاضرة و دخل العساكر السلطانیه باودی پورّ فقاتل الكفار قتالا شدیدا.

(نزھة الخواطر، جلد ، ۵/ ص۱۵۲،حیدرآباد ، دکن)

یعنی شیخ رضی الدین کو دینی علوم میں تبحر و تفوق کے ساتھ بہت سارے عصری فنون ، مثلاً حرب وضرب اور سیاست و تمدن میں مہارت و بصیرت حاصل تھی ۔ شاہی افواج میں داخل ہوئے اور اودے پور کے مقام پر کفار و مشرکین سے سخت جہاد و قتال کیا اور ان سے بے جگری کے ساتھ لڑے۔

مآثر عالم گیری، ص: ۶۷، (ترجمہ از: محمد فدا علی طالب) میں شیخ رضی الدین بھاگل پوری کے متعلق لکھا ہے کہ:

کوکلا جاٹ جو کہ مفسدوں کا سرگروہ اور بے حد سنگ دل قزاق تھا، جس کے ناپاک وجود کی وجہ سے عبدالنبی نے شہادت پائی تھی اور نیز جس کا فرنے سعد آباد کو تباہ و برباد کیا تھا، حسن علی خاں کی کوشش سے گرفتار ہوا، اس بدبخت کو گرفتار کرنے میں رضی الدین بھاگل پوری نے بھی بے انتہا کوشش کی تھی۔ (ماہنامہ سہیل، گیا، ۱۹۶۸ء، ص: ۷۰، بھاگل پور کا ادبی ماحول نمبر)

مذکورہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ شیخ رضی الدین بڑے شجاع و بہادر ، بے باک مجاہد ، جری ، حوصلہ مند اور فنون حرب میں مہارت رکھنے والے ایک عظیم اسلامی سپاہی تھے ۔ شیخ موصوف اپنی خداداد ذہانت اور ناخن تدبیر سے دشمنوں کی جنگی چالوں کو ناکام بنانے کا ہنر خوب جانتے تھے۔

سیاسی امور میں مہارت:

علامہ شیخ رضی الدین بھاگل پوری علیہ الرحمۃ بزم اور رزم دونوں میدان

کے فاتح اور مجاہد تھے، جہاد وقتال اور حرب وضرب کی اعلیٰ صلاحیتوں سے بہرہ مند تھے۔ شجاعت وبسالت، ہمت وجرأت، جواں مردی وبے باکی کے ساتھ سیاسی امور میں مہارت اور اعلیٰ جنگی قیادت کے مالک تھے۔ سیاست کی پیچیدہ گرہوں کی عقدہ کشائی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ حالات حاضرہ پر گہری نظر تھی اور اعدائے دین کی ریشہ دوانیوں سے ہمہ دم باخبر رہتے تھے اور وقت ضرورت ان کی گوش مالی کے لیے شاہی افواج کے ساتھ مل کر جہاد وقتال میں مصروف رہتے تھے۔ فہم وفراست، تدبّر ومصلحت اور سیاسی امور ومعاملات میں مہارت آپ کی زندگی کے نمایاں اوصاف ہیں۔ انہیں اوصاف وکمالات کی بدولت سلطان اورنگ زیب عالم گیر جیسے مدبر اور اولوالعزم حکمراں نے آپ کو "یک صدی منصب" سے سرفراز کیا اور اپنے خاص مشیروں میں شامل کیا۔ چنانچہ اس حوالے سے محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

مولانا رضی الدین بھاگل پوری، عالم دین ہونے کے ساتھ فنون حرب میں بھی مہارت رکھتے تھے اور سیاست کی پیچیدہ گرہوں کی عقدہ کشائی میں ان کو خاص درک حاصل تھا۔ ان اوصاف کی وجہ سے بادشاہ (اورنگ زیب عالم گیر) نے ان کو ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء میں "یک صدی منصب" سے نوازا اور اپنے خاص مشیروں میں شامل کیا۔

(فقہائے ہند، جلد ۴/ص ۱۲۹/اریب پبلی کیشنز، دہلی)

ڈاکٹر علاء الدین خان لکھتے ہیں:

مولانا شیخ رضی الدین بھاگل پوری قواعد حرب اور سیاسیات ملکی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

(عہد اورنگ زیب میں علما کی خدمات، ص ۲۴۰، البلاغ پبلی کیشنز، دہلی)

منصب یک صدی اور خان کا خطاب:

فتاویٰ عالم گیری کے مؤلفین میں حضرت علامہ شیخ رضی الدین بھاگل پوری کو جو بہت سارے امتیازات حاصل تھے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ بادشاہ اورنگ زیب کے مقربین، مصاحبین اور خاص مشیروں میں شامل تھے۔ بادشاہ کو آپ کے علم وفضل، فنون حرب اور سیاسی امور میں مہارت پر بڑا اعتماد تھا۔ مغل سلطنت کی بقا واستحکام کے لیے آپ کی بے لوث خدمات کو دیکھتے ہوئے بادشاہ اورنگ زیب نے آپ کو ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء میں سلطنت کا ایک اہم عہدہ "منصب یک صدی" تفویض کیا اور آپ کی ہمہ جہت خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء میں "خان" کے لقب سے سرفراز کیا۔

نزہۃ الخواطر کی یہ عبارت ملاحظہ کریں:

فاعطاه عالم گیر لنفسه منصبا (یك صدی) سنة تسع وسبعین والف ولقبه "بالخان" سنة تسعین والف. (نزهة الخواطر، جلد٥ / ص، ١٥٢/ دکن)

ڈاکٹر علاء الدین خان لکھتے ہیں:

شیخ رضی الدین بھاگل پوری، بہار کے شرفا میں سے تھے۔ یہ عالم اور فقیہ تھے اور اپنے دور کے اکابر وفحول علما میں سے تھے۔ ترویج علوم میں مشغول رہتے اور علوم وفنون میں اس درجہ ممتاز تھے کہ ان کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی اور حلقۂ علما میں ان کی فضیلت کا علم بلند ہوگیا۔ اورنگ زیب عالم گیر نے انہیں "فتاویٰ عالم گیری" کی تالیف میں شامل کیا آپ کو اکثر علوم وفنون میں بھی دسترس تھی۔ جیسے سپہ گری، عمل داری، ندیمی وغیرہ۔ محتسب قاضی محمد حسین جون پوری اور مراۃ العالم کے مصنف بختاور خان نے اورنگ زیب کو شیخ رضی الدین کے کمالات وہمہ گیر قابلیت سے آگاہ کیا اور بادشاہ اورنگ زیب نے ۱۰۷۶ھ میں ان کو "یک صدی" منصب دار مقرر کیا۔ اور رفتہ رفتہ حسین علی خان کی اعانت وامداد اور اپنی سلیقہ شعاری وہنر مندی سے رتبۂ امارت خانی (خان کا خطاب) پر فائز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ جب تک زندہ رہے اپنے کام میں ممتاز رہے قواعد حرب اور سیاسیات ملکی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

(عہد اورنگ زیب میں علما کی خدمات/ص: ۲۴۰)

خطۂ برار، دکن کی ولایت وحکومت:

شیخ رضی الدین بھاگل پوری اپنے وطن بھاگل پور سے حیدر آباد، دکن کب تشریف لے گئے؟ اس کی صراحت نہیں ملتی۔ آپ کے استاذ گرامی حضرت مولانا شہباز محمد بھاگل پوری پر لکھی گئی کتاب (سلطان العارفین) میں بس اس قدر لکھا ہے کہ:

"حضرت مولانا نظام الدین حیدر (برادر زادہ شیخ یٰسین سامانی وتلمیذ شہباز محمد بھاگل پوری) اور حضرت مولانا رضی الدین بھاگل پوری دونوں اورنگ زیب عالم گیر کے حکم وایماء پر حیدر آباد دکن تشریف لے گئے، مولانا نظام الدین حیدر کچھ دنوں تک شہزادے کے اتالیق رہے، پھر مجلس فقہائے دکن کے صدر الصدور ہوئے اور مولانا رضی الدین بھاگل پوری" فتاویٰ عالم گیری" کی تدوین اور محتسبی کی خدمت میں سرفہرست رکھے گئے۔ (سلطان العارفین/ص ۳۹، مطبوعہ بھاگل پور)

شیخ رضی الدین کی ہمہ جہت اور قابل رشک دینی، علمی، ملکی اور سیاسی خدمات نے انہیں دکن کا مشہور خطہ " برار" کا حاکم و والی بنادیا آپ ایک عرصے تک امیر حسن علی خان کے نائب کی حیثیت سے برآر کے امیر و والی رہے اور سلطنت مغلیہ کے عروج و استحکام کے لیے اپنی خدمات پیش کرتے رہے اور برار ہی میں ۱۰۹۶ھ ۱۶۸۵ء میں آپ کا وصال ہوا اور غالباً یہیں آپ کی تدفین بھی ہوئی۔

فولاه علی اقطار برار نیابة عن الامیر حسن علی خان ، فناب عنه برهة من الزمان و توفی سنة ست و تسعین و الف بارض برار.

(نزهة الخواطر جلد / ۵ س/ ۱۵۲ ، حیدرآباد)

کتاب "فقہائے ہند" کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں۔

مولانا رضی الدین بھاگل پوری، حنفی المسلک تھے اور گیارہویں صدی ہجری کے جلیل القدر علمائے ہند میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ عالم و فقیہ اور شیخ وقت تھے، علوم مروجہ میں درجۂ ممتاز پر فائز تھے۔ علمائے عصر میں مشہور اور فاضل بزرگ تھے۔ ان کے زمانے میں فتاویٰ ہندیہ جو فتاویٰ عالم گیری کے نام سے معروف ہے، اورنگ زیب عالم گیر کی سعی کوشش سے زیر ترتیب تھا اور مشاہیر علمائے ہند کی ایک بڑی جماعت اس خدمت فقہی پر مامور تھی، اورنگ زیب کے کانوں میں مولانا رضی الدین بھاگل پوری کی شہرت علمی پہنچی تو اس نے ان کو بھی اس خدمت پر متعیّن کردیا۔ قاضی محمد حسین محتسب اور مشہور مورخ بختاور خان کی شفارش اور تعارف سے ان کو فتاویٰ عالم گیری کے مدونین کی جماعت میں رکھا گیا۔ شیخ موصوف نے کفار ہند کے خلاف جنگیں لڑیں اور اپنی شجاعت و بسالت اور مجاہدانہ تگ و تاز کا ثبوت دیا۔ بعد ازاں بادشاہ کی طرف سے انہیں اقطاع برآر کا والی مقرر کیا گیا۔ ۱۰۹۶ھ /۱۶۸۵ء میں سرزمین برار میں وفات پائی۔ (فقہائے ہند، جلد چہارم ص: ۱۲۹-۱۳۰ اریب پبلشرز، دہلی)

اللہ تعالی اپنے حبیب ﷺ کے صدقے شیخ رضی الدین بھاگل پوری کو جزائے خیر سے نواز۔ ان کی قبر پر تا صبح قیامت اپنے انوار و تجلیات اور رحمت و غفران کی بارش نازل فرمائے اور ان کے فیوض و برکات سے ہم سب کو مالا مال کرے۔ آمین۔

شیخ غلام محمد بھاگل پوری:

فتاویٰ عالم گیری کے مایۂ ناز مصنفین و مؤلفین میں ایک اہم مگر گمنام شخصیت علامہ شیخ غلام محمد بھاگل پوری علیہ الرحمہ کی بھی ہے۔ اس گراں قدر فقہی کتاب کی جمع و ترتیب اور تدوین و تالیف میں آپ بھی شامل تھے۔ مؤلفین فتاویٰ عالم گیری سے متعلق کتب و رسائل میں عام طور سے آپ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن ان کتابوں میں آپ کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ فتاویٰ عالم گیر کی ترتیب و تالیف میں آپ شریک نہیں تھے۔ کیوں کہ بہت سارے علما و فقہا ایسے گزرے ہیں جن کے اسمائے گرامی مؤلفین فتاویٰ عالم گیری کے ضمن میں نہیں ملتے۔ حالانکہ تواتر کے ساتھ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ وہ فتاویٰ عالم گیر کے مؤلفین میں تھے۔ علامہ شیخ غلام محمد بھاگل پوری بھی انہیں علما میں سے ایک ہیں۔ "تذکرۂ علمائے بہار" پہلی کتاب ہے جس میں فتاویٰ عالم گیری کے مؤلف کی حیثیت سے آپ کا تعارف و تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔ شیخ غلام محمد بلند پایہ عالم دین، عظیم المرتبت فقیہ اور افتا و قضا کی باریکیوں سے آگاہ ایک بے مثال قاضی تھے۔ جملہ علوم و فنون میں مہارت حاصل تھی۔ خصوصیت کے ساتھ علم فقہ میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی علمی عظمت، فضل و کمال، فصاحت و بلاغت اور ایمان داری کے چرچے عام تھے۔

تذکرۂ علمائے بہار میں نہایت اختصار کے ساتھ آپ کے احوال بیان کیے گئے ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

آپ کے والد گرامی کا نام شیخ ابوسعید اور جدامجد کا نام شیخ عبد العلی ہے۔ آپ نے اپنے عم محترم مولانا عبدالحمید سے تعلیم و تربیت حاصل کی جو مولانا باز علی کے والد تھے۔ یہاں سے تعلیم حاصل کرکے جون پور کا سفر کیا اور ملا عبد الباقی جون پوری کے مدرسہ میں داخلہ لیا۔ ان کی تعلیم و تربیت سے پورا فیض حاصل کیا اور وہیں سے تعلیم مکمل کی۔ وہاں سے فارغ ہو کر آپ دار الخلافت دہلی پہنچے، جہاں صدارت پناہ دانش مند خاں سے ملاقات ہوئی اور وہ آپ کے علم و فضل سے اتنا متاثر ہوئے کہ شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کی خدمت میں انہیں پیش کیا اور آپ کی فصاحت و بلاغت کا ذکر کیا۔ سلطان اورنگ زیب نے " فتاویٰ عالم گیری" کی تدوین میں تین روپیہ روز اور دو سو روپیہ سالانہ انعام مقرر کیا۔

فتاویٰ عالم گیری کی تکمیل کے بعد پانچ روپیہ روزینہ پر ملتان گئے پانچ سال وہاں رہے، پھر پانچ سال لاہور کے قاضی رہے۔ لاہور سے دکن اور بیجا پور تک آپ کی علمیت، صلاحیت اور ایمان داری کی شہرت پھیلی۔ وفات کا سال معلوم نہیں۔

(تذکرہ علمائے بہار، جلد ۲/ص ۱۹۶، مطبوعہ، پٹنہ بہار)

مجدد الف ثانی اور علوم و معارف

فہیم احمد ثقلینی ازہری

بسم اللہ الرحمن الرحیم. نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم، اما بعد.

اہل صدق وصفاوہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنھوں نے اپنے ایمان و اعتقاد کی درستگی کے ساتھ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کے ذریعہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کا قرب حاصل کیا اور اولیا اللہ کی جماعت میں شامل ہو کر زندگی کے ہر سانس کو مرضیِ حق کے تابع کر لیا۔ معرفت حق سے ان کے دل معمور اور نور حقیقت سے ان کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ عبادت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ نے ان کے پیکر خاکی کو نورانی بنادیا۔ انھیں صاحب صدق و صفا اور برگزیدہ ہستیوں میں صاحب ولایت محمدیہ، حجت شریعت مصطفویہ، کاشف اسرار سبع مثانی، امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت سیدنا شیخ احمد فاروقی حنفی نقشبندی سرہندی بھی ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت زبدۃ الاولیا حضرت شیخ عبدالاحد فاروقی چشتی سرہندی کے گھر میں نورانی وروحانی ماحول میں ۱۴؍شوال المکرم ۹۷۱ھ /۵؍جون ۱۵۶۴ء میں ہوئی۔ بچپن سے ہی ذکاوت و سعادت کے آثار ظاہر تھے۔ شعور وآگہی کی منزل میں قدم رکھتے ہی تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا پھر مروجہ علوم وفنون معقولات و منقولات کی کتابیں اپنے والد ماجد شیخ عبدالاحد فاروقی سے پڑھیں۔ تحصیل علم کے ابتدائی دور ہی سے خداداد ذہانت واستعداد کے جوہر کھلنے لگے۔ دقیق اور پیچیدہ مسائل ومضامین کے اخذ کر لینے اور اپنے الفاظ میں بیان کرنے سے کمال حاصل کر لیا۔ پھر سیالکوٹ آکر جامع معقولات مولانا کمال کشمیری سے عضدی وغیرہ مشکل کتابیں پڑھیں اور استاذ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے معقولات اور علم کلام کی منتہی کتابیں پڑھیں۔ مولانا شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے بعض کتب حدیث پڑھیں۔ مولانا قاضی بہلول بدخشی سے علوم الحدیث اور علوم القرآن کی مندرجہ ذیل کتابیں پڑھیں: ... ”تفسیر واحدی، تفسیر بسیط، تفسیر وسیط، اسباب النزول، تفسیر بیضاوی، منہاج الوصول، الغایۃ القصوی، بخاری شریف، ثلاثیات بخاری، الادب المفرد، افعال العباد، مشکوٰۃ شریف، شمائل ترمذی، جامع صغیر للسیوطی، قصیدہ بردہ شریف، شیخ ابوسعید بوصیری“۔

سترہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی۔ سلوک وتربیت کی تکمیل مختلف شیوخ سے مختلف سلاسل طریقت میں اجازت وخلافت حاصل کر کے کی۔ سلسلۂ سہروردیہ میں اپنے استاذ محترم حضرت شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے اجازت وخلافت حاصل کی۔ سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد فاروقی سرہندی سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ سلسلۂ قادریہ میں حضرت سید شاہ سکندر قادری کیتھلی سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی سے بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت حاصل کی۔ حضرت خواجہ عبدالباقی المعروف بہ باقی باللہ حضرت مجدد کے مرشد بیعت وخلافت ہیں۔

حضرت مجدد علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات اس امر پر شاہد عدل ہیں۔ آپ علوم و معارف کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر تھے۔ آپ کے رشحات قلم کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ذات سے جن معارف کا صدور وظہور ہوا ہے وہ کسی اور سے نہیں ہوا۔ تربیت اخلاق، تہذیب نفس اور تصفیہ قلب کے لیے آپ نے جو بلیغ اور موثر پیرایہ بیان اختیار فرمایا ہے اس کی عمدہ مثالیں مکتوبات میں موجود ہیں۔ ان مکاتیب میں علوم شریعت، علوم طریقت اور حقائق و معارف کے بیش بہا خزانے ہیں جن سے آپ کے ارشادات و پیغامات کا فیض جاری ہے۔ مکتوبات کی روحانی عظمت کے باعث پر شکوہ الفاظ، پر مغز عبارات، وجد انگیز روانی اور جامعیت سے بھرپور خزانہ ہیں جو سلیس عام فہم زبان کے باوجود فصاحت وبلاغت کا ایک سمندر ہیں۔ ”از دل خیزد بر دل ریزد“ کا اتم مصداق ہیں۔ قاری کے دل پر اثر انداز ہو کر غور وفکر کی دعوت اور صراط مستقیم کے حصول میں رہنمائی کرتے ہیں۔

[معارف امام ربانی پر گفتگو کرنے سے پہلے مکتوبات شریفہ کا

ککرالہ، بدایوں (یوپی) faheemahmad_92@yahoo.co.in

پس منظر اور اجمالی تعارف سماعت فرمائیں]

حضرت مجدد کے مکاتیب شریفہ کا آغاز ان خطوط سے ہوا ہے جو آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی دہلوی کی خدمت میں ارسال کیے ہیں اور ان کی ابتدا ۱۰۰۸ھ کے اواخر سے ہوئی ہے۔ مکتوبات کا دفتر اول خواجہ یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی نے جمع کیا ہے۔ ۱۰۲۵ھ میں جب مکاتیب شریفہ کی تعداد تین سو تیرہ ہو گئی تو حضرت مجدد نے فرمایا کہ انبیائے مرسل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اصحاب بدر علیہم الرحمۃ والرضوان کی تعداد تین سو تیرہ تھی، ان کی مناسبت سے اس دفتر کو بند کر دو۔ چنانچہ سال اتمام کے اعتبار سے اس دفتر کا تاریخی نام "درالمعرفت" ہے۔

زبدۃ المقامات میں خواجہ محمد ہاشم کشمی نے لکھا ہے کہ یہ تاریخی نام حضرت مجدد کے حکم سے میں نے نکالا تھا۔ مکتوبات کا دفتر دوم خواجہ عبدالحی حصاروی نے جمع کیا ہے اس میں ننانوے خطوط ہیں۔ جب ۱۰۲۸ھ میں خطوط کی تعداد ننانوے ہو گئی تو اسمائے حسنیٰ کی مناسبت سے اس دفتر کو بند کر دیا گیا اور اس کا تاریخی نام باعتبار اختتام "نورالخلائق" رکھا۔ اس دفتر میں قلعۂ گوالیار میں محبوس ہونے تک کے خطوط ہیں۔

مکتوبات کے دفتر سوم کو عاشق صادق، سرمست جام احمدی خواجہ محمد ہاشم کشمی نے مرتب کیا ہے۔ آپ زبدۃ المقامات میں لکھتے ہیں تیسری جلد ایک سو چودہ خطوط پر مشتمل ہے، اس میں قرآن مجید کی سورتوں کی مناسبت کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس کا تاریخی نام خواجہ محمد ہاشم کشمی نے "بحرالمعارف" رکھا ہے۔ اس کے بعد آپ نے جو خطوط لکھے ہیں ان کی تعداد چودہ تک نہ پہنچی تھی کہ آسمان قطبیت کا چودھویں کا چاند معرفت تراب کے نقاب میں چھپ گیا۔ نور اللہ تعالیٰ مضجعه المعطر.

حضرت مجدد سے پہلے اور آپ کے بعد سینکڑوں مشائخ طریقت کے مکاتیب کو لوگوں نے جمع کیا ہے لیکن جو مقبولیت آپ کے مکاتیب کو حاصل ہوئی ہے وہ کسی دوسرے کے مکاتیب کو حاصل نہ ہوئی۔ حقائق و معارف کے بیان میں آپ کے مکتوبات کو وہی قدر و منزلت حاصل ہے جو مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ السامی کی مثنوی معنوی کو حاصل ہے۔ اگر صرف مکتوبات کہا جائے گا آپ ہی کے مکاتیب مراد ہوں گے۔ جس طرح مثنوی شریف کہنے سے مولانائے روم کی مثنوی معنوی مراد ہوتی ہے۔ آپ کے رسائل و تصنیفات میں جو حلاوت، زور قلم اور نادر انداز بیان مکاتیب شریفہ کا ہے وہ کچھ اور ہی ہے۔ ہر ہر لفظ بادۂ عشق نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا لبریز جام ہے۔ (مقامات خیر، ص:۶۱)

حضرت شاہ غلام علی دہلوی متوفی ۱۲۴۰ھ اپنے ملفوظات "درالمعارف" میں فرماتے ہیں: امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد فاروقی پر منجانب اللہ جو علوم و معارف منکشف ہوئے وہ تین طرح کے ہیں۔ ان حقائق و معارف کی پہلی قسم وہ ہے جو آپ نے کسی سے بیان نہ فرمائے اور ان موتیوں کو تحریر و تقریر کے دھاگے میں بھی نہیں پرویا ہے (یعنی حضرت مجدد نے کسی کو ان علوم و معارف کا حامل اور اہل تصور نہیں فرمایا) اور دوسری قسم کے معارف و حقائق وہ ہیں جو آپ نے اپنی اولاد امجاد میں سے خاص حضرات سے بیان فرمائے (اس جملہ میں لفظ "خاص" سے یہ مستفاد ہو رہا ہے کہ اپنی تمام اولاد سے آپ نے وہ علوم و معارف بیان نہیں فرمائے بلکہ بعض لائق و فائق شہزادگان سے ہی بیان فرمائے ہیں)۔

علوم و معارف کی تیسری قسم وہ ہے جو عام ہے جو آپ نے اپنے تمام مریدین و متوسلین اور حلقہ بگوشوں سے بیان فرمائے اور ان کو تحریر بھی فرما دیا ہے چنانچہ مکاتیب شریفہ کی تینوں جلدیں، ساتوں رسالے اور دیگر تالیفات اسی قسم سوم کے معارف، حقائق اور علوم سے بھرے ہوئے ہیں۔ (انتہی کلامہ، ص: ۲۳۳)

ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے آپ کو "عرفان کا مجتہد اعظم" قرار دیا ہے۔ آپ کے رشحات قلم کا مطالعہ کرنے سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے آپ نے تصوف کے میدان میں ایسے فکر و عرفان اور علوم و معارف، حقائق و دقائق کا اظہار کیا جس کی مثال پہلے دور میں نہیں ملتی فکر و عرفان کی جولانیوں کے تعلق سے حضرت مجدد خود فرماتے ہیں:

"اللہ تبارک و تعالیٰ کے انعامات کے متعلق کیا لکھا جائے اور کس طرح شکر ادا کیا جائے جن علوم و معارف کا فیضان خداوند جل شانہ کی توفیق سے ہوتا ہے ان میں سے اکثر قید تحریر میں آتے ہیں اور اہل و نااہل کے کانوں تک پہنچتے ہیں۔ لیکن جو اسرار و دقائق کہ ممتاز ہیں ان کا ایک شمہ بھی ظاہر نہیں کیا جا سکتا بلکہ رمز و اشارہ کے ذریعہ بھی ان کے متعلق بات نہیں ہو سکتی بلکہ اپنے عزیز ترین فرزند جو اس فقیر کے معارف کا مجموعہ اور مقامات سلوک کا نسخہ ہیں، کے سامنے بھی ان

اسرار کی باریکیوں کا ذکر نہیں کرتا۔ معانی کی باریکیاں زبان کو پکڑتی ہیں اور اسرار کی لطافت لب کو بند کرتی ہیں"۔(و یضیق صدری و ینطق لسانی - زبدۃ المقامات، ص: ۳۰۳)

یہ حقیقت ہے کہ آپ نے مقام وجود و شہود کے متعلق جو معارف بیان فرمائے ہیں وہ صرف آپ ہی کا حصہ ہیں۔ آپ کے مرید وخلیفہ شیخ بدر الدین سرہندی رقم طراز ہیں:

"تعین وجودی کہ جس کے متعلق آج تک کسی عارف نے لب کشائی نہیں کی تھی آپ پر ظاہر کیا گیا اور اس عالی مقام کے اسرار و معارف اور نکات سے آپ کو ممتاز فرمایا گیا۔ جیسے دفتر سوم کے مکتوب نمبر ۸۹ میں اس مسئلہ کی تفصیل آئی ہے۔(حضرات القدس، جلد دوم، ص: ۸۲)

دفتر سوم کے مکتوب نمبر ۸۹ کی تلخیص یہ ہے، اس مکتوب میں آپ نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے نظریہ "ہمہ اوست" کی توضیح فرمائی ہے اور جو لوگ اس کے مصداق اور معنی و مفہوم کے تعلق سے غلط فہمی میں مبتلا ہیں، اس کا ازالہ فرمایا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں: "پوشیدہ نہ رہے کہ عبارت "ہمہ اوست" اگرچہ متقدمین صوفیہ میں متعارف نہ تھی لیکن "انا الحق، سبحانی اور لیس فی جبتی سوی اللہ تعالیٰ وغیرہ کے مانند بہت سی باتیں سرزد ہوئی ہیں لہٰذا اس کلمہ کا اور اس قسم کی دوسری عبارتوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

"ہمہ اوست" کی اصطلاح سے خام صوفیہ جزئیت، اتحاد، حلول، سریان کے چکر میں پھنس گئے، حضرت مجدد نے انھیں اس چکر سے نکالا۔

اس کے بعد حضرت مجدد نے اس سلسلہ میں اپنا نظریہ بیان فرمایا ہے، آپ لکھتے ہیں:

"اور اس مسئلہ میں جو کچھ اس حقیر کے نزدیک مختار اور شان تقدیس اور تنزیہ کے مناسب ہے وہ "ہمہ از اوست" کی عبارت ہے (یعنی سب کچھ اسی سے ہے) صرف اس معنی کے لحاظ سے نہیں جس پر علمائے ظاہر کفایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب کا صدور وظہور اور خلق "ہمہ اوست" سے ہے اگرچہ یہ خود صادق و درست ہے...... اس کے باوجود یہاں ایک اور تعلق و نسبت بھی ہے جس کی طرف علمائے ظاہر نے رہنمائی نہیں پائی اور صوفیہ اس کے حصول کے ساتھ ممتاز ہوئے ہیں اور وہ اصالت وظلیت کا باہمی رابطہ ہے یعنی اگر ممکن کا وجود ہے تو وہ واجب تعالیٰ کے وجود سے پیدا ہے اور اسی ذات سبحانہ کے وجود کا پرتو ہے"۔

خلاصۂ کلام میں فرماتے ہیں کہ جو صوفیہ "ہمہ اوست" کے قائل ہیں وہ عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول وسریان ثابت نہیں کرتے بلکہ ظہور وظلیت کے اعتبار سے حمل کرتے ہیں وجود وتحقق کے اعتبار سے نہیں۔ اگرچہ ان کی ظاہری عبارت سے اتحاد وجودی کا وہم گزرتا ہے لیکن حاشا وکلا ان کی یہ مراد ہرگز نہیں کیونکہ یہ کفر والحاد ہے اور جب ایک کا دوسرے پر حمل کرنا ظہور کے اعتبار سے ہے نہ کہ وجود کے اعتبار سے تو "ہمہ اوست" کے معنی "ہمہ از اوست" ہوئے۔

مقام وجود و شہود کے متعلق معارف مجدد کی ایک مثال ہوئی، اسی طرح عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق فرماتے ہیں:

"یہ فقیر کیا کہے اور اگر کہے تو کون سمجھ سکے اور کیا حاصل کر سکے، یہ معارف احاطۂ ولایت سے خارج ہیں اور علمائے ظاہر کی طرح ارباب ولایت بھی ان کو سمجھنے سے قاصر و عاجز ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت کی مشکوۃ سے ماخوذ ہیں کہ دوسرے ہزار سال والی تجدید سے محض تبعیت اور وراثت کی وجہ سے تازہ ہوئے ہیں۔(مکتوبات ۲/۴) ذلك فضل الله یوتیه من یشآءُ.

حضرت مجدد کے مکتوبات، معارف اور تعلیمات آج کے پر آشوب دور میں انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی حنفی سرہندی کے علوم و معارف، طریقت کے اسرار و رموز اور علم شریعت کے حقائق و دقائق کا سیر حاصل مطالعہ کرنے کے لیے "مکتوبات امام ربانی"(مطبوعہ درگاہ شاہ ابوالخیر چتلی قبر دہلی) کی طرف رجوع فرمائیں۔ صوفیائے کرام اور علمائے اسلام نے ہمیشہ ہر دور میں کام کیا ہے اور آج بھی علمائے حق اور مشائخ عظام کام کر رہے ہیں لیکن علمائے سو کی بھی کمی نہیں ہے جو ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے بیٹھے ہیں۔ بظاہر اللہ کا نام لیتے ہیں لیکن اسلام کے نام پر علمائے سو خرافات کا بت توڑنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس بات پر مورخین کرام کا اجماع ہے کہ اگر حضرت مجدد کی ذات مقدسہ سرزمین ہند میں جلوہ افروز نہ ہوتی تو دین اکبری کی تاریکی اسلام کے اجالوں کو چاٹ جاتی۔

اللہ تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانی کے مرقد انور پر رحمت و غفران کی بارش فرمائے اور ان کے علمی وروحانی فیضان و معارف سے ہم سب کو مستفید و مستفیض فرمائے، آمین۔ ☆☆☆

نکاح رحمت اور مطالبہ جہیز زحمت

محمد ہاشم قادری مصباحی

مذہب اسلام نے نکاح کے ذریعہ مردوزن کے اس باہمی تعلقات کو جس قانون ومعاشرہ کا پابند بنایا ہے اگر انہی دائرے میں رہ کر اس فریضہ کو انجام دیا جائے تو یقینا اس سے ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ کا وجود ہوگا اس معاملہ کو قانون اور معاشرتی رنگ دینے کی اصل وجہ جنسی تسکین کے ساتھ حفاظت نسب اور نسل انسانی کے تسلسل کو بھی باقی رکھنا ہے۔ دنیا کی ہر قوم ومذہب نے مرد وعورت کے اس باہمی اجتماع کو اپنے معاشرتی نظام کا پابند بنایا ہے آج تک اس سرزمین پر جتنی بھی قومیں وجود میں ہیں ان سب میں نکاح کا وجود ضرور رہا ہے اپنے مذہب کے مطابق شادی بیاہ ضرور کرتا ہے یہ الگ بات ہے کہ کچھ مذہب میں سیاسی ورہبانی زندگی (بغیر شادی شدہ) کو اچھا بتایا ہے لیکن مذہب اسلام چونکہ مذہب فطرت ہے اس کے قوانین یہ ہیں کہ تقرب الی اللہ حاصل کرنے کے لیے تارک الدنیا اور دنیا کی ناجائز رنگینیوں سے بے نیاز ہونا تقرب الی اللہ نہیں بلکہ اس دنیا میں رہ کر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگی بسر کرے وہ اللہ کا مقرب بندہ بن جائیگا۔

ہر مذہب اور معاشرہ نے بغیر شادی (جو اس کے مذہب میں رائج ہے) مردوزن کے باہمی تعلقات کو ناپسند کیا ہے، انسان کو جنسی ضرورت کے تحت سکون انہیں جوڑوں سے حاصل ہوتا جو قانون شریعت کے مطابق باہم نکاح سے حاصل ہوتا ہے اور اسلام انہیں کو جوڑا قرار دیتا ہے۔ غیر نکاح جوڑوں کو اسلام جوڑا تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ انہیں زانی اور بدکار قرار دیتا ہے ان کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے آج کل مغربی تہذیب کے علم بردار شیاطین اسی مذموم گندی کوششوں میں مصروف ہیں کہ مغربی معاشرے کی طرح اسلامی ملکوں اور ہر جگہ نکاح کو غیر ضروری قرار دیا جائے اور آزادانہ میل ملاپ بدکار مرد وعورت کو جوڑا تسلیم کر لیا جائے اور قانون بنایا جائے کہ کپل (Couple) یعنی قانونی جوڑا مانا جائے اور انہیں سزا کے بجائے وہ حقوق دیئے جائیں جو ایک قانونی جوڑے کو حاصل ہوتے ہیں آج آزادی کے نام پر مغربی ثقافت نے ہماری نسلوں کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے، بلاشبہ شادی بیاہ فطرت کی آواز ہے اور انسانی ضرورت ہے رب العالمین کا ارشاد ہے ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے جوڑے بنائے (یعنی بیویاں بنائیں) کہ ان سے آرام وسکون پاؤ اور تمھارے آپس میں محبت اور رحمت رکھی ہمدردی رکھی۔ (القرآن، سورہ روم ۳۰، آیت ۲۰)

احادیث رسول میں کثرت نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور خصی اور غیر شادی شدہ برہمچاری رہنے کی ممانعت کی گئی ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: من کان ذا طول فلیتزوج "جو شخص استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کرے" (معجم کبیر ج ۱۰ ص ۱۴۹)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں "تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی استطاعت رکھتا ہو وہ شادی کرے کیوں کہ نکاح سے نظر نہیں بہکتی اور شرم گاہ محفوظ رہتی ہے اور جو شخص نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کر دیتے ہیں۔

(بخاری شریف ج ۲ ص ۷۵۸ حدیث نمبر ۱۹۰۵، مسلم شریف حدیث نمبر ۳۲۹۷)

النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی

(بخاری شریف حدیث نمبر ۵۰۶۳، مسلم شریف حدیث نمبر ۱۰۲۰)

اسلام میں نکاح ایک مذہبی فریضہ ضرورت اور قرب الٰہی کا سبب بھی ہے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین فلیتق اللہ فی نصف الباق .

"جب بندے نے نکاح کر لیا تو اس نے نصف (آدھا) دین مکمل کر لیا اور باقی نصف کے لیے اللہ سے ڈرے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۶)

حضور ﷺ نے رہبانیت وتبتل (مجرد زندگی (اکیلا) زندگی گزارنے کا عمل) کے خود ساختہ خیالوں کو مسترد کرتے ہوئے نوجوان معاشرہ کو شادی کی ترغیب دی ہے، ارشاد گرامی ہے:

یا معاشر الشباب من استطاع الباءۃ فلیتزوج.

نوجوان کی جماعت تم سے جو شخص لوازمات مجامعت (بیویوں اور بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے کی) استطاعت رکھتا ہو، تو وہ نکاح کرلے، کیونکہ نکاح نظر کو نیچی اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے اور جو اس پر قادر نہ ہو تو وہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ رکھنا، اس کی شہوت کو دور کردے گا سچی حقیقت تو یہ ہے کہ جس معاشرہ میں شادی کا رواج نہ ہوگا یا شادی کو ایک بوجھ سمجھا جائے گا۔ تو وہاں لوگ اپنی جنسی پیاس کو بجھانے کے لیے ناجائز طریقے ضرور تلاش کریں گے، جس سے ناجائز بچوں کی پیدائش ہوگی جیسے آج نام نہاد ترقی یافتہ کہے جانے والے ملکوں امریکہ، جرمنی، انگلینڈ اور دیگر مغربی ملکوں میں یہ وباعام ہے اخباری رپورٹوں کے مطابق ۲۲ر فی صد بچے ناجائز پیدا ہورہے ہیں اسی وجہ سے آج یورپین ملکوں میں بچے کی نسبت باپ کے بجائے ماں کی طرف کی جاتی ہے، کیونکہ بچے کی ماں تو معلوم ہوتی ہے مگر خود ماں کو بھی پتا نہیں ہوتا کہ اس کا باپ کون ہے جبکہ مذہب اسلام میں نکاح کے ذریعہ بچہ کی نسبت باپ سے ثابت ہوتی ہے جو دنیا میں عزت وشرافت، پاک دامنی کا باعث ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و انکحوا منکم.. الخ. ترجمہ، اور نکاح کردو اپنوں میں سے انکا جو بے نکاح ہے اور اپنے لائق بندوں کا اور کنیزوں کا اگر وہ فقیر ہوں تو اللہ انھیں غنی کردیگا اپنے فضل کے سبب اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔ (القران، سورہ نور، آیت ۳۲۔ کنزالایمان)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذ تراضوا بینھم باالمعروف"

ترجمہ: تو عورتوں کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح سے نہ روکو جب کہ آپس میں موافق شرع رضامند ہوجائیں، یہ نصیحت اسے دی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ تمھارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (سورہ البقرہ آیت ۲۳۲)

نکاح کے بہت فوائد ہیں سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے نسل انسانی کی بقاواستحکام ہے انسان حصول اولاد کی جو کوشش کرتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت کا بھی دخل ہے کیونکہ وہ اللہ کے حکم کی اطاعت کرتا ہے اولاد کو باعث ثواب قرار دیا گیا ہے حضور نے ارشاد فرمایا: خوب بچہ دینے والی عورتوں سے شادی کرو کیوں کہ میں کثرت امت پر قیامت کے دن فخر کروں گا۔ نکاح کے بے شمار فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ انسان کی شہوت کا زور ختم ہوجاتا ہے اور اس کو سکون مل جاتا ہے اس کا دل اس کی نظر پاکیزہ ہوجاتی ہے اور گناہوں سے بچا رہتا ہے۔ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان کو بیوی کے ذریعہ سکون ملتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو حضرت آدم کی تسکین کے لیے پیدا فرمایا۔ قرآن کریم میں ہے، ترجمہ: اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے چین پائے۔

(القرآن، سورہ الاعراف ۷، آیت ۱۸۹)

اسی لیے اسلام میں بغیر شادی شدہ رہنے کی ممانعت کی گئی ہے اللہ نے اپنے رسولوں کو بھی بیوی اور اولاد سے نوازا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ولقد ارسلنا رسلا من قبلک و جعلنا لھم ازواجا و ذریۃ.

ترجمہ: بے شک ہم نے تم سے پہلے بھی رسولوں کو بھیجا اور ان کو بیویوں اور بچوں یعنی نسلوں سے نوازا۔ (القرآن، سورہ رعد ۱۳ آیت ۳۶)

بعض کفار نے اعتراض کیا کہ اگر حضور نبی ہوتے تو آپ نکاح نہ کرتے بیوی بچے نہ رکھتے تارک الدنیا ہوتے انکے جواب میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی، پیغمبران عظام میں بغیر بیوی حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عمر شریف گزاری باقی تقریباً تمام انبیاے کرام نے نکاح فرمایا یعنی نکاح حکم خداوندی ہے اور نکاح سنت انبیا ہے جو کہ فطرت ہے ایسے ہی زیادہ بیویاں رکھنا بھی نبوت کے خلاف نہیں ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کی ۹۹ بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں اور وہ نبی تھے۔ ہندوؤں کے بھی بعض اوتاروں کنھیاااور راجہ دسرت کی کئی بیویاں تھیں، کنھیا کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ قطع نظر اس کے کہ نکاح سنت ہے یا فرض ہے، بہ وجہ تقاضاے بشریہ خود ایک انسانی ضرورت ہے بلکہ انسانی فطرت ہے خدائی قانون ہے سنت رسول اور عبادت بھی ہے اسی لیے اسلام نے نکاح کو بہت آسان بنایا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح کا اعلان کرو، اسے مسجدوں میں رکھو، مرقات میں اس حدیث کے تحت ہے۔ مسجد میں نکاح رکھنا یا اس فائدہ کے پیش نظر ہے کہ اس سے اعلان زیادہ ہوگا اور برکت کا مقام ہے برکت حاصل ہوگی اور فال نیک لینے کے لیے مسجد میں نکاح کی ترغیب دی گئی۔ (طبرانی، معجم کبیر، حاکم، مستدرک)

مطالبۂ جہیز کا ذمہ دار کون؟

آجکل جہیز کی مانگ نے باقاعدہ بایوڈاٹا کی طرح لسٹ کی صورت اختیار کرلی ہے پورے معاشرے کو تباہی کے دہانے پر پہنچادیا ہے۔ جس

کی ایک سے زائد بیٹیاں ہوں تو اس کی پوری موت ہو جاتی ہے، اگر جہیز اختیاری ہو یعنی خوشی پر منحصر ہو تو کوئی قباحت نہیں لیکن جبری جہیز کی Demand نے صورت حال کو خطرناک اور تباہ کن بنا دیا ہے مفت میں لاکھوں کا مال ہاتھ آنا سب کو اچھا لگتا ہے اور اس موذی مرض میں اچھے خاصے دین دار لوگ بھی جہیز لے کر شادیاں کر رہے ہیں، "مال مفت دل بے رحم" کوئی رحم کوئی شرم و حیا نہیں پورا معاشرہ اسی ظلم کی وجہ سے نہایت بے چینی کی زندگی گزار رہا ہے غریبوں اور مڈل کلاس کے لوگوں کے لیے یہ لعنت جان لیوا ثابت ہو رہی ہے۔ کتنے باپوں نے اپنی لگی روزی کو داؤ پر لگا دیا، دوکانیں بیچ ڈالیں، جائیدادیں بیچ دیں، رہن رکھ دیا، سودی قرض لے لیا اور ساری زندگی قسطوں پر مرنے کا سامان کر لیا، کیا یہ حالات دردمند مسلمانوں کو جھنجھوڑنے اور جگانے کے لیے کافی نہیں ہیں؟ معاشرے کو اس جان لیوا خراب رسم سے پاک کیا جائے ایک تو غریب لڑکیوں کی بڑھتی عمر کا رونا روتے ہیں اور لالچی لڑکے والوں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ جہیز ہمارے معاشرے کو دیمک کی طرح نہیں بلکہ ڈائناسور کی طرح کھا جا رہا ہے مگر جہیز کے لیے ذمہ دار صرف لڑکے والے ہی نہیں ہیں خود لڑکی والے بھی لڑکے والوں کو منھ مانگے جہیز کی پیش کش کرتے ہیں بلکہ ایسے واقعات بھی ہیں کہ اگر کسی کے گھر میں کوئی اچھا رشتہ آیا ہے اور اس کے گھر والے اس کی مانگ پوری کرنے پر مجبور ہیں تو اس کی بھنک جب پڑوسی یا رشتہ داروں کو پڑی تو وہ جلدی سے "Tender" کی طرح بولی لگا کر اپنی لڑکی کے لیے وہ رشتہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اخبارات میں ضرورت رشتہ کے اشتہار پر نظر ڈالیے "معیاری شادی" لڑکا بھائی باہر سے آیا ہوا ہے۔ ویزا کاروبار لگا ہے بھیج دیا جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ جیسے لالچ دیے جاتے ہیں جو دولت مند ہیں اور جس نے اپنی لڑکی کی شادی کے لیے زندگی بھر کی کمائی جما کر رکھی ہے انہیں روکا نہیں جا سکتا لیکن غریب شخص اور جس کی بچیوں کی تعداد زیادہ ہے وہ گھٹ گھٹ کر مر رہا ہے سوال یہ ہے کیا صرف "باہر" رہ کر ہی لڑکی خوش رہ سکتی ہے کیا وہ اپنے وطن میں خوش نہیں رہ سکتی جو بیویاں اپنے شوہر کے ساتھ باہر ہیں ان کی حالت ان کے دل سے پوچھیے "سارا دن گھر میں لاک (بند) رہتی ہیں، ایسے ہی جو یہاں رہتی ہیں ان کے شوہر باہر ہونے کی وجہ سے ان گنت پریشانیاں اور مسائل ہیں جو لکھنے کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ مقامی نوجوانوں اور کم آمدنی والے نوجوانوں سے شادی کے لیے نہ ہی ماں باپ اور نہ ہی لڑکیاں تیار ہوتی ہیں جب کہ اکثر دیکھا گیا ہے مقامی نوجوان اور کم آمدنی والی فیملی خوش و خرم ہے، جب کہ دولت مند لوگ سکون کے متلاشی ہیں۔

انتخاب نکاح میں دیندار کی اہمیت:

نیک اور صالح نسل کے لیے ان اوصاف کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے دینداری، حسب و نسب، عزت و وقار عمر کے توازن کے ساتھ یعنی لڑکے کی عمر زیادہ ہو لڑکی کی کم ہو مناسب نہیں مرد عورت کے اخلاق و آداب میں عورت کا اخلاق زیادہ ہونا بہتر ہے۔ بد خلق، بد صورت، پست قد، عمر دراز، صاحب اولاد نہ ہونا اچھا اور فاسق و بدکار بد چلن تو ہرگز نہ ہو۔ (در مختار، رد المحتار)

رہی بات حسن و جمال کی تو رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات بھی پیش نظر ضرور رکھے: فرمایا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورت سے نکاح کے چار داعیے ہوا کرتے ہیں:

(۱) اس کا مال (۲) اس کا حسب (۳) اس کا جمال (خوبصورتی) (۴) دین والی کو اختیار کرو (اگر تو نے دین کو ترجیح نہ دی تو) تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ (بخاری، حدیث نمبر ۲۰۴۱ سنن ابوداؤد باب نکاح کا بیان دیندار عورت سے نکاح کرنا مقدم ہے حدیث نمبر ۲۰۴ اور مسلم)

عورتوں سے شادی محض حسن کی بنیاد پر نہ کرو ان کا حسن تمہیں تباہی میں ڈال دے گا ان کی دولت ثروت (جہیز) کو شادی کی بنیاد نہ بناؤ۔ ہو سکتا ہے ان کی دولت جہیز تمہیں سرکشی میں مبتلا کر دے لیکن دین کی بنیاد پر تم شادی کرو کالی کلوٹی دیندار کنیز دولت والی سے اچھی ہے جو خدمت گذار اطاعت شعار رہے گی۔ ایک اور حدیث پڑھیں یہ حدیث پاک ان نوجوانوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے جو محض حسن و جمال پر جان لٹا دیتے ہیں۔ یا دولت و ثروت کی لالچ میں اپنی زندگی کا سکون قربان کر دیتے ہیں اور دیانت تقوی نیک دیندار کی پرواہ نہیں کرتے فرمایا آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس نے کسی عورت سے اس کے عزت کے سبب نکاح کیا وہ اور ذلیل ہو گا، جس نے اس کی دولت کی وجہ سے نکاح کیا وہ اور محتاج ہو گا، جس نے اس کے حسب کے باعث نکاح کیا دنائت میں مزید اضافہ ہو گا۔

مہر کی ادائیگی عورت کا شرعی حق ہے۔ دینا ضروری ہے۔

مہر کے بارے میں ہمارے معاشرے میں معلومات نہ کے برابر ہیں اور جن کو معلوم بھی ہے وہ بھی اس خدائی حکم کی پیروی نہیں کرتے جو انتہائی افسوس ناک اور عاقبت خراب کرنے والی ہے۔ **(باقی ص: ۵۴ پر)**

گوشۂ ادب

کلامِ آسیؔ میں عشقِ رسول کے جلوے

اختر حسین فیضی مصباحی

رسول کائنات محمد عربی ﷺ سے عشق و محبت ایک مرد مومن کی اولین آرزو ہوتی ہے، یہی آرزو جب الفاظ کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے تو "نعت نبی" بن جاتی ہے، اظہار آرزو کے لیے کبھی تقریر و تحریر کا سہارا لیا جاتا ہے تو کبھی درود و سلام بھیج کے غلامی کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن بہ طریقۂ معروف عقیدت کی نظر اور محبت کی سوغات نظم کی صورت میں پیش کی جاتی ہے اس کی دل پذیری اور دل کشی اپنی مثال آپ ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مداحان رسول اور عاشقانِ مصطفی اکثر اوقات اشعار کو ہی اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کا ذریعہ بناتے ہیں، اس کا آغاز خود دور نبوت سے ہی ہو چکا تھا، بہت سے صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت میں منظوم خراج عقیدت پیش کیے، ان میں آسمان شہرت کے نیر تاباں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو "شاعر رسول" کے نام سے ہی معروف تھے، آپ ایک جگہ یوں مدح سرا ہیں:

١. واحسن منك لم ترقط عيني
واجمل منك لم تلد النساء
٢. خلقت مبرء امن كل عيب
كانك قد خلقت كما تشاء

(۱) آپ سے حسین میری آنکھ نے کبھی نہ دیکھا اور نہ آپ سے خوب صورت کسی عورت نے کوئی بچہ جنا۔

(۲) آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے، گویا کہ آپ کی ولادت آپ کی منشا کے مطابق ہوئی۔

صحابہ کرام کے بعد تابعین، تبع تابعین اور دیگر شعرائے عرب نے بھی محبتوں کے نذرانے پیش کیے یہ روایت فارسی، اردو اور دیگر عجمی زبانوں میں بھی آئی، چوں کہ فارسی اور اردو زبانیں عربی زبان سے زیادہ قریب ہیں اس لیے عربی کے بعد ان دونوں زبانوں میں "نعت" کے اثاثے بہت زیادہ ملیں گے۔ فارسی کے نعت گویوں میں فردوسی، حکیم سنائیؔ، خاقانیؔ، نظامی گنجوی، فخر الدین عراقیؔ، جلال الدین رومیؔ، فرید الدین عطارؔ، شیخ سعدیؔ، علامہ جامیؔ، حافظؔ شیرازی، عرفیؔ شیرازی، وغیرہ اعتبار کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، ان حضرات کے نعتیہ اشعار پڑھ کر عاشقانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو گویا ایک نئی زندگی مل جاتی ہے، حضرت علامہ جامیؔ ایک جگہ یوں عرض گزار ہیں:

یا شفیع المذنبیں بارِ گناہ آوردہ ام
بردرت ایں بار، با پُشتِ دو تاہ آور وہ ام
چشم رحمت برکشا، موے سفیدِ من نگر
گر چہ از شرمندگی، روے سیاہ آور وہ ام

بارگاہ رسالت میں وارفتگی اور شیفتگی کے ساتھ سلام بھیجنے کا انداز ملاحظہ کیجیے:

السلام اے قیمتی تر گوہر دریاے جود
السلام اے تازہ تر گلبرگِ صحراے وجود
السلام اے آں کہ تا از جبہۂ آدم نہ تافت
نور پاکش کس نہ زد از قدسیاں اورا سجود

اردو زبان مین نعت گوئی کا سلسلہ باقاعدہ گیارہویں صدی ہجری سے شروع ہوا اور اس میں روز بہ روز ترقی ہوتی رہی نعت گو شعراے اردو میں سلطان محمد قلی قطب شاہ، ملا وجہی، غواصیؔ، نصرتی، نظیرؔ اکبر آبادی، جراتؔ، مصحفی، کرامت علی شہیدیؔ، امام بخش ناسخؔ، کفایت علی کافیؔ، ذوق دہلوی، بہادر شاہ ظفرؔ، امیر مینائیؔ، مرزا مظہر جانِ جاناں، افضل الہ آبادی وغیرہ وہ اساطین ادب ہیں جن کی سخن وری اور نعت گوئی پس ماندگان کے لیے سنگ میل اور رہنما اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔

حضرت مولانا کفاہت علی کافیؔ مرادآبادی علیہ الرحمہ شفیع روز شمار صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان اور امت کے حق میں ان کی کفالت و شفاعت کا ذکر یوں کرتے ہیں:

آپ کفیل کار امت، آپ شفیع روزِ قیامت
ہیں بے حد احسانِ محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

اور ہر طرح کے درد کا درماں ذات رسول کریم کو قرار دیتے ہوئے یوں گویا ہیں:

بہر شفاعت، درد مصیبت اور کہ اے رنج وفلاکت
کافی ہے درمان محمد، صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت افضل الہ آبادی ایک مطلع کے اندر رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی محبتوں کی سوغات کچھ اس طرح پیش کرتے ہیں:

مورث شانِ ماطغیٰ صَلِّ علیٰ محمدٍ
حضرتِ صاحبِ لوا صَلِّ علیٰ محمدٍ

حضرت افضل الہ آبادی علیہ الرحمہ نے درج ذیل شعر میں معراج رسول کا ذکر کیا ہے اور پیش کش کا انداز اچھوتا اور منفرد ہے کہ پڑھتے جائیے اور ہر بار نیا لطف حاصل کیجیے، کہتے ہیں:

پہنچا ہے عرش پر تنِ خاکیِ محمد
کس شان سے زمین گئی آسمان پر

یہ وہ نامور شعرا اور ممتاز نعت گویان رسول ہیں جن کی روایت حضرت آسی تک پہنچی اور انھوں نے تصوف کے رنگ و آہنگ میں عشق رسول کی وہ جوت جگائی جس کی نظیر بڑے بڑے صاحبان فن کے یہاں بھی نہیں ملتی۔ آپ ابتدا میں ”عاصی“تخلص کرتے تھے بعد میں ”آسی“ کرلیا۔

حضرت مولانا عبدالعلیم آسی علیہ الرحمہ ۱۹/ شعبان ۱۲۵۰ھ میں سکندر پور ضلع بلیا میں پیدا ہوئے اور ۲/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ میں محلہ نور الدین پورہ شہر غازی پور میں وفات پائی، گویا آپ نے پچاسی سال کی عمر پاکر داعی اجل کو لبیک کہا، آپ نہایت ذہین اور خوش طبع انسان تھے، شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا، دائرۂ شاہ اجمل الہ آباد کے سجادہ نشین شاہ غلام اعظم افضل الہ آبادی کی تربیت نے آپ کی شاعری کو جلا بخشی اور قطب الہند شاہ معین الدین سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ جون پور نے معرفت اور تصوف کی راہ دکھائی، اس طرح سے ان دونوں تربیتوں نے آپ کو شاعر تصوف بنادیا، آپ کا دیوان موسوم بہ ”عین المعارف“ عارفانہ کلام کا گنج گراں مایہ اور حقائق واسرار کا بحر زخار ہے، جو رہ روان طریقت کے دلوں میں خشیت الٰہی پیدا کرتا ہے اور ان کے سینوں کو حب رسول کا مدینہ بناتا ہے۔

یہاں حضرت آسی علیہ الرحمہ کے خاص تصوف اور شاعری پر کوئی گفتگو نہ کرکے آپ کے کلام کی روشنی میں آپ کے وہ صفات پیش کرنے کی کوشش ہوگی جن سے عشق رسول کے جلوے نظر آئیں۔ اس وقت یہ بات ضرور ذہن نشین رہے کہ عاشق اس وقت تک عشق کی حلاوت نہیں پا سکتا ہے جب تک کہ اپنا سب کچھ محبوب کے حوالے نہ کردے، عشق حقیقی کے تعلق سے ولی دکنی کے خیالات ملاحظہ فرمائیں:

عشق میں لازم ہے اول ذات کو فانی کرے
ہو فنا فی اللہ دائم یادِ یزدانی کرے
یا محمد دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں
خلق کو لازم ہے جی کوں تجھ پہ قربانی کرے

اس تناظر میں حضرت آسی کا عشق میں ڈوبا ہوا یہ شعر دیکھیے:

گناہ گار ہوں میں واعظو! تمھیں کیا فکر
مرا مُعاملہ چھوڑو شفیع محشر پر

ایک جگہ ذاتِ رول سے بھرپور بھروسے اظہار کرتے ہوئے عرض گزار ہیں:

نہیں اپنے گناہوں کا مجھے غم
میں آسی ہوں گنہ گارِ محمد

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علم بروز حشر مسلمانوں کی شفاعت فرمائیں گے، یہ اہل اسلام کا مسلمہ عقیدہ ہے، اس عقیدے پر جزم اور پختگی کا اظہار آپ اس شان سے کرتے ہیں:

جھومتا جاتا ہے آسی حشر میں
عاشقانِ سرورِ عالم کے ساتھ

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں یوں استغاثہ پیش کرتے ہیں

میں مجرم ہوں آقا! مجھے ساتھ لے لو
کہ رستے میں ہیں جا بہ جا تھانے والے

حضرت آسی خود کو بارگاہ رسالت پناہی کا مجرم قرار دینے کے ساتھ ساتھ رسولِ رحمت ﷺ کی رحمت و رافت اور لطف و مہربانی پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اس لیے بڑے ہی پر مسرت انداز میں کہتے ہیں:

مجھ سے مجرم کے لیے خلدِ بریں
مہربانی ہے رسول اللہ

ایک عاشق زار کی سب سے بڑی آرزو یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی جان عزیز محبوب کے قدموں پر نچھاور کردے اسی پس منظر میں حضرت آسی کہتے ہیں:

اخیر وقت ہے آسیؔ چلو مدینے کو
نثار ہو کے مرو تربت پیمبر پر

محبوب کے در پہ جان دے دینا گویا اپنے آپ کو معظم و مکرم بنانا ہے، حضرت آسیؔ کا عقیدہ ہے کہ کسی عاشقِ رسول کی جان اگر قدم رسول کی خاک کا درجہ بھی پا جائے تو اسے بلندیوں کا کمال حاصل ہو جائے، درج ذیل شعر میں عقیدے کی پختگی اور تخیل کی پرواز ملاحظہ کیجیے:

نثار کیوں نہ کریں جان اس پر اے آسیؔ
فلک سے جا کے لگے جس کی خاک پا ہو کر
دارفتگی اور فدائیت کا یہ انداز بھی دیکھیں
مرتا ہوں میں جس پر وہ جوان عربی ہے
مکی، مدنی، ہاشمی و مطّلبی ہے
دل ہے کہ شہید خم ابروے نبی ہے
گردن ہے کہ ہر دم تہ تیغِ عربی ہے

....

یا نبی دل ہے ترے عشق میں جلنے کے لیے
جان بے تاب ہے فرقت میں نکلنے کے لیے
عزم ہے جو در محبوب پہ جانے کے لیے
کیسے ارمان مچلتے ہیں نکلنے کے لیے

جس دل میں محبت رسول نہیں، ایسے دل کے بارے میں حضرت آسیؔ کہتے ہیں کہ اسے جینے کا کوئی حق نہیں ایسا دل آگ میں جلنے کے قابل ہے:

جس نے کچھ تخم، محبت کا نہ بویا دل میں
ایسا ہی دل ہے سدا آگ میں جلنے کے لیے

اور جس دل کو محبت رسول کی دولت حاصل ہو اسے جینے کا بھرپور حق حاصل ہے، کہتے ہیں:

جس نے کچھ تخم محبت کا ہے بویا دل میں
ہے سدا باغ میں وہ پھولنے پھلنے کے لیے

درج ذیل اشعار میں شہر رسول سے عقیدت و محبت اور اخیر وقت میں قرب رسول کی آرزو کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں:

مدینہ ہو مرا مدفن الٰہی! بسوں میں زیر دیوار محمد
خوش ہو آسیؔ کہ لحد تیرا بنا خاک پائے احمد مختار سے

جہاں ایک شیدائے رسول اپنے آقا کی ذات کریم سے والہانہ محبت کرتا ہے اور اوصاف و کمالات بیان کرتے نہیں تھکتا وہیں محبوب کے دیار پاک سے بھی الفت و محبت کی راہیں استوار کرتا ہے اور اس پاک سرزمین کے ادب و احترام کا جو درس دیتا ہے وہ ایک عاشق رسول کا ہی حصہ ہو سکتا ہے، حضرت آسیؔ علیہ الرحمہ جنھیں عشق رسول سے وافر حصہ عنایت ہوا تھا وہ کب حرم نبوی کی تکریم نہ کرتے، درج ذیل شعر میں کوے نبوی کی تعظیم و تکریم کا جو انداز آپ نے پیش کیا ہے، وہ آپ ہی کا حصہ ہے، فرماتے ہیں:

اے پاے نظر! ہوش میں آ، کوے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں، بے ادبی ہے

اس شعر میں کوچۂ رسول سے محبت و احترام اور شیفتگی کی جو منظر کشی کی گئی ہے، اس سے کچھ اہل محبت اور صاحبان ذوق ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

اسلامی عقیدے کے مطابق جب مردے کو احباب قبر میں دفن کر کے واپس ہو جائیں گے تو نکیرین قبر میں حاضر ہوں گے اور سوال کریں گے، من ربک؟ مادینک؟ اور تیسرا سوال کریں گے ماتقول فی شان ھٰذا الرجل؟ اس وقت رسول کریم ﷺ سامنے ہوں گے اور یہ تیسرا سوال اسی ذات گرامی کی طرف اشارہ کر کے ہوگا، ایک مومن، ایک عاشق رسول اپنے آقا کو دیکھ کر فوراً کہہ اٹھے گا یہ تو ہمارے آقا و مولیٰ ہیں اور کافر کہے گا، ہائے، افسوس میں تو کچھ نہیں جانتا۔

چوں کہ حضرت آسیؔ سچے عاشق رسول تھے؛ اس لیے قبر کی ہولناکی سے گھبرائے نہیں، ان کے نزدیک تو قبر، محبوب رب کریم سے ملاقات کی جگہ ہے؛ اس لیے جذبۂ شوق میں کہتے ہیں:

اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسیؔ
ہے شب گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات

آسان لب و لہجے میں فدایت اور خود سپردگی کا یہ انداز بھی ملاحظہ فرمائیں:

اے جان جاناں میں فدا — اے صبح پنہاں میں فدا
اے نور رحماں میں فدا — اے سِرّ سبحاں میں فدا
سلطان میرے میں فدا — مہمان میرے میں فدا
ایمان میرے میں فدا — اے جان میرے میں فدا
اے میرے سرور میں فدا — میرے پیمبر میں فدا

آپ نے میلادِ رسول عربی ﷺ کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں

کیا ہے اور بہ صورتِ مخمس اشعار کی ایک لائن لگا دی ہے ان میں سے دو خمسے نذر قارئین ہیں:

پیدا ہوئے پیدا ہوئے، خیر الوریٰ پیدا ہوئے
نور خدا پیدا ہوئے، دل کی دوا پیدا ہوئے
بحر سخا پیدا ہوئے، ابر عطا پیدا ہوئے
درّ صفا پیدا ہوئے، موج وفا پیدا ہوئے
اے میرے سرور میں فدا، میرے پیمبر میں فدا

......

شاہ شہاں پیدا ہوئے، جان جہاں پیدا ہوئے
گنج نہاں پیدا ہوئے، تاج جہاں پیدا ہوئے
گردوں مکاں پیدا ہوئے، عالی نشاں پیدا ہوئے
مطلوبِ جاں پیدا ہوئے، کیا دل ستاں پیدا ہوئے
اے میرے سرور میں فدا، میرے پیمبر میں فدا

سید المرسلین، نبی آخر الزماں ﷺ جب دین حنیف لے کر دنیا میں تشریف لائے تو سابقہ تمام ادیان منسوخ کر دیے گئے اور قیامت تک کے لیے اس مقدس دین کی پیروی سب پر لازم کر دی گئی، اس حقیقت کی ترجمانی آپ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

آپ ہوئے مکے میں پیدا دینِ حق نے جلوہ پایا
ہوگئے نسخ ادیانِ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

عقیدے کی زبان میں یہ بند بھی سنیں:

کیا نور کا انسان ہے، اللہ تیری شان ہے
سب جسم ہے یہ جان ہے، چہرہ نہیں، قرآن ہے
یہ دین ہے ایمان ہے، میرا یہی سلطان ہے
جو ہے یہاں حیران ہے، جی جان سب قربان ہے
اے میرے سرور میں فدا، میرے پیمبر میں فدا

اسلام کا دم بھرنے والے ایک فرقے کی طرف سے یہ موشگافیاں ہوئیں کہ محمد عربی ﷺ کی مثال و نظیر ممکن ہے، اس فرقے کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

محالِ خرد ہے مثال محمد
سر عرش تک پاے مال محمد
یہ پھیلا ہے نور کمال محمد
جہاں روشن است از جمال محمد
دلم تازہ گشت از وصال محمد

بہت سے شعرا نے اپنے اشعار میں حبیب خدا ﷺ کے عارض و رخسار، جسم اطہر، پاے اقدس اور زلف و معنبر کی مدح سرائی کی ہے حضرت آسی نے بھی ان مبارک اعضا کی توصیف میں اشعار کہے ہیں۔

آپ نے بارگاہ رسول رحمت ﷺ میں جو عقیدت و محبت کے پھول پیش کیے ہیں، ان میں صداقت، وارفتگی اور سوز دروں کے جلوے کار فرما ہیں، رقم طراز ہیں:

کہاں گلشن کہاں روے محمد
کہاں سنبل کہاں موے محمد
دل صد چاک میں مانند شانہ
رچی ہے بوے گیسوے محمد
ماتھا ہے قمر، عارض پر نور ہے و الشمس
پائی ہے مرے یار نے کیا نور کی صورت

....

تمھارے حسن کی تصویر کوئی کیا کھینچے
نظر ٹھہرتی نہیں عارض منور پر

....

کم نہ قرآن سے تم اس کو سمجھنا آسی
جس مرقع میں ہو محبوب خدا کی صورت

......

وہ جسم تھا یا کوئی گل تر، شمیم جس کی وہ روح پرور
جدھر سے گزرے بسا وہ رستہ، بہا پسینہ گلاب ہو کر

درج ذیل شعر میں پاے اقدس کا ذکر ہے، ساتھ ہی پتھر پر نشان قدم کا بھی ذکر ہے، پتھر پر کف پا کا نقش پڑنا یہ رسول کریم ﷺ کا بہت مشہور معجزہ ہے، یہ معجزہ بہت سے شعرا نے اپنے اپنے انداز مین بیان کیا ہے، لیکن یہاں حضرت آسی کی پیش کش کا انداز ملاحظہ کیجیے:

نہ میرے دل، نہ جگر پر، نہ دیدۂ تر پر
کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر پر

اس کے بعد اپنے دل سے مخاطب ہوتے ہیں کہ اے دل بے تاب! تو یہ دیکھ کر حیران ہے کہ سخت پتھر پر پاے رسول کا نقش کیسے

نمایاں ہوا، تو یہ نہ سوچ، اس نے اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کی تو اسے یہ شرف ملا، اے دل مضطر! تو بھی اپنے اندر صلاحیت پیدا کر، تو بھی نوازا جائے گا، کہتے ہیں:

صلاحیت بھی تو پیدا کر اے دل مضطر!
پڑا ہے نقشِ کفِ پاے یار پتھر پر

محبوب سے سلام و پیام کی روایت بڑی پرانی ہے اور اس کے لیے ہواؤں سے مدد زیادہ لی گئی ہے، متعدّد شعرا کے یہاں "صبا" کا لفظ بہ کثرت ملتا ہے، خواجہ میر دردؔ کے اس شعر میں لفظ "صبا" کا استعمال دیکھیے:

یہی پیغام دردؔ کا کہنا، گر صبا کوے یار میں گزرے
کون سی رات آن ملیے گا، دن بہت انتظار میں گزرے

حضرت آسیؔ نے صبا کے ذریعہ بارگاہِ حبیب میں سلام و پیام بھیجا ہے ان کی سادگی میں وہ دل کشی ہے کہ اس پر ہزاروں رعنائیاں قربان ہیں، فرماتے ہیں:

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

یہ شعر جہاں محبوب ربِّ کریم سے تعلق خاطر کا پتا دیتا ہے، وہیں خداے تعالیٰ کی توحید کا برملا اعلان بھی کرتا ہے اور فرق مراتب کا بھرپور لحاظ بھی۔

حضرت آسیؔ کا یہ شعر نہایت ہی مقبول ہے اور نعت گوئی و نعت خوانی سے ذرا بھی تعلق رکھنے والا شخص اسے اپنی زبان کی زینت ضرور بناتا ہے۔

مولانا محمد علی جوہرؔ عظیم سیاسی قائد ہونے کے ساتھ ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے، ایک شاعر دوسرے شاعر کا شعر جلدی قبول نہیں کرتا لیکن آسیؔ کے اس شعر میں نہ جانے کیا کشش تھی کہ مولانا جوہرؔ کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ اپنی ایک روداد سفر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس سفر (بسلسلۂ مقدمۂ کراچی) میں رات کے طویل طویل گھنٹے درود و سلام کی تسبیحیں پڑھتے پڑھتے گزار دیے اور آسیؔ غازی پوری کا یہ شعر سارے سفر میں وردِ زبان رہا:

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد
تمھارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

(عین المعارف، ص:۳۴)

نسیم گلشن مدینہ کا ذکر آپ کچھ اس انداز سے کرتے ہیں:

دم جاں بخش اعجاز مسیحا
نسیم گلشن کوے محمد

شیخ سعدی نے شہنشاہ بحر و بر جناب احمد مختار ﷺ کے فضائل و مدائح ان الفاظ میں بیان کیے:

کریم السجایا جمیل الشیم
نبی البرایا شفیع الامم
امام رسل پیشواے سبیل
امین خدا مہبط جبرئیل
شفیع الوریٰ خواجۂ بعث و نشر
اما م الہدیٰ صدر دیوان حشر
شفیعٌ، مطاعٌ، نبیٌ، کریم
قسیمٌ، جسیمٌ، نسیمٌ، وسیم

آسان زمین اور سلیس انداز میں کہے گئے، یہ نعتیہ اشعار کے چند نمونے ہیں جو قاری کے دل پر خوش گوار اثر مرتب کرتے ہیں، اب حضرت آسیؔ کا اسلوب نگارش دیکھیے، حضرت سعدی کی لے میں لے ملا کر یوں ترنم ریز ہیں:

سلامِ خداے زمین و زماں
نثار سرِ سیدِ مُرسلاں
سلام اے سحاب مطیر کرم
کریم السجایا جمیل الشیم
سلام اے تجلی نور کرم
نبی البرایا شفیع الامم
سلام اے حبیب خداے علیم
قسیم، جسیم، نسیم، وسیم
سلام اے شہ روز امید و بیم
شفیع، مطاع، روف رحیم
سلام اے رسول خداے کبیر
سراج، منیر، بشیر، نذیر
سلام اے نبی بلیغ و فصیح
حسین، جمیل، صبیح، ملیح

(باقی ص:۴۳ پر)

نقد و نظر

نام کتاب : جامع مسانید الامام الاعظم (جلد اول، دوم)
جامع و مرتب : امام ابوالموئید محمد بن محمود خوارزمی علیہ الرحمہ
صفحات : ۹۶۹ قیمت : ۵۰۰ / روپے
ناشر : طلبۂ جامعہ اشرفیہ ۲۰۱۶ء
مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ (یوپی)
مبصر : توفیق احسن برکاتی

ازہر ہند جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ برصغیر پاک و ہند میں اہل سنت و جماعت کا ایک نمائندہ جامعہ ہے اور اپنی تعلیمی، نصابی، علمی و تحقیقی خوبیوں اور معیار کی بنیاد پر پوری دنیا میں شہرت رکھتا ہے اور علمی جہان اس کے فضلا کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ صرف ایک دانش گاہ ہی نہیں بلکہ بہت بڑی علمی و فنی، فکری و تحقیقی تربیت گاہ بھی ہے۔ اس کی بنیادوں میں حضور اشرفی میاں و محدث اعظم ہند، صدر الشریعہ و مفتی اعظم ہند، سید العلما و احسن العلما کی پاکیزہ دعاؤں کی اینٹیں چنی گئی ہیں۔ اس کی عمارتوں میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی مخلصانہ قربانیوں کے جلوے صاف نظر آتے ہیں۔ اس عظیم ادارے کی ایک ایک اینٹ اس کے بانیوں معاونین مخلصین اور وابستگان کے جذبۂ صادق کے گارے سے تیار کی گئی ہے۔ ہندوستان کی مہتم بالشان خانقاہیں اور ان کے سجادگان جامعہ اشرفیہ کی عظمتوں، بلندیوں اور آفتابی نظاروں کو سلام پیش کرتے ہیں۔ یہاں کے طلبہ، اساتذہ، انتظامیہ اور مبارک پور کے عوام و خواص جامعہ اشرفیہ سے اپنی نسبتوں کا فخریہ اظہار و اعلان کرتے ہیں۔

حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنے رفقا و تلامذہ علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہما الرحمہ وغیرہما کے تعاون سے اس ادارے کو درس نظامی کی صرف ایک درس گاہ، حفظ و قراءت کا ایک مدرسہ نہ بنایا بلکہ اسے اس نہج پر قائم فرمایا کہ یہاں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ جب فارغ ہوں تو ایک ماہر استاذ، ایک اچھے خطیب ایک عمدہ قلم کار و مصنف، ایک جلیل الشان مفتی، ایک باکمال منتظم اور دین حق کے ایک قابل مبلغ و داعی بن کر "زمین کے اوپر کام، زمین کے نیچے آرام" جیسے زریں قول کو مجسم وجود بخشیں اور تعلیم و تدریس، تحقیق و تصنیف تنظیم و تربیت اور تحریر و تقریر کے ساتھ تبلیغ و ترویج کے نئے نئے میدان فتح کریں، مدارس کی بنیاد رکھیں، کتابیں تصنیف کیں، اجلاس میں خطابات کریں، دعوتی ادارے کھولیں، تربیتی سینٹرز قائم کریں، علمی و قلمی معرکے سر کریں، مسلک و مذہب کا آوازہ بلند کریں، امام احمد رضا کے افکار و تعلیمات کے فروغ کے لیے انتھک جدوجہد کریں۔

الحمد للہ! جامعہ اشرفیہ کے طلبہ، اساتذہ و فارغین کی دینی خدمات اس بات کی گواہ ہیں کہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کی روح اپنے مزار میں یقیناً شاداں ہوگی کہ انھوں نے جس حسنِ نیت سے علم کا یہ پودا لگایا تھا، آج وہ نہ صرف ایک تناور درخت بن چکا ہے بلکہ دنیا اس کا پھل بھی کھا رہی ہے اور اس سے علمی و دینی سایہ بھی حاصل کر رہی ہے۔

فتاویٰ رضویہ اور تصانیف حافظ ملت کی طباعت و اشاعت کے لیے سنی دار الاشاعت قائم کیا گیا، اشرفی لائبریری کی بنیاد پڑی، طلبہ و اساتذہ کو تحریر و قلم کا مذاق دیا گیا تو متبحر علما و مشائخ کی نایاب کتب و رسائل کی طباعت و اشاعت کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ خود مجدد اعظم، فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے درجنوں نایاب رسائل جدید رنگ و آہنگ کے ساتھ اشاعت پذیر ہوئے۔ فتاوی رضویہ کی کئی جلدوں کی ترتیب، تبییض، تبویب اور طباعت کا کام ہوا جس کے لیے علامہ بلیاوی اور بحر العلوم علیہما الرحمہ کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی کئی کتابیں طبع ہوئیں۔ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے اپنی ریکارڈ توڑ اشاعت کا سلسلہ تا حال باقی رکھا ہے۔ اس رسالے کے کئی اہم نمبرات اور خصوصی شمارے آج بھی یادگار تسلیم کیے جاتے ہیں۔ بعد میں جب مجلس شرعی اور مجلس برکات کے تحت درسی و غیر درسی کتابوں کی اشاعت کا کام شروع ہوا تو ایسا لگا "گویا دبستاں کھل گیا"۔ تصنیف، تحقیق، حاشیہ نگاری، ترجمہ نگاری، انشا پردازی اور اصول نویسی کا ایک جہان سامنے آیا۔ دنیا آج بھی حیرت میں ہے کہ ایک جامعہ اشرفیہ اور اتنی متنوع خدمات! آخر کب اور کیسے ہو جاتا ہے اتنا کام؟ - بات دراصل یہ ہے کہ اشرفیہ کی رگوں میں مذکورہ بزرگوں کے ساتھ فیضان بریلی و مارہرہ و کچھوچھ کا ایک آبشار اپنی روحانی نمی انڈیل رہا ہے اور کام کی رفتار آگے بڑھ رہی ہے طلبہ تنظیمیں اور علاقائی بزمیں بھی کسی سے پیچھے کیوں رہتیں اور فارغین کو یہ ذہن کیوں نہ ملتا، کہ وہ بھی تو اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اب تو حال یہ ہے کہ فارغ ہونے والے مصباحی طلبہ ہر سال درجنوں کی تعداد میں اپنی تصنیف کردہ، ترجمہ کردہ اور ترتیب شدہ کتابیں خود طبع کرا کے اپنا دعوت نامہ تیار کرتے ہیں جو انتہائی قابل مبارک باد عمل ہے اور حد درجہ

پذیرائی کا مستحق ہے۔

۲۰۰۴ء میں طلبہ فضیلت کے مقالات کا مجموعہ "دینی دعوت" کے نام سے شائع ہوا اور اسی سال علامہ نقی علی خان بریلوی علیہ الرحمہ کی تصنیف "محفل میلاد و قیام تعظیمی" بھی منظر عام پر آئی تھی۔ بعد میں طلبہ کی کوششوں سے قاضی فضل احمد لدھیانوی کی تصنیف "انوار آفتاب صداقت" جدید ترتیب کے ساتھ منظر عام پر آئی جس پر امام احمد رضا کی بھی تقریظ ثبت ہے۔ شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی کی عربی کتاب لمعات شرح مشکوٰۃ چھپی، الصوارم الہندیۃ، انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ، نصر المقلدین، اور تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل وغیرہ عمدہ تاریخی کتابیں طبع ہو کر عام ہوئیں۔ یہ نادر و نایاب کتابیں اپنی جامعیت، تحقیق، اسلوب، مواد اور موضوع کے لحاظ سے انتہائی باوزن ہیں اور ان کے مصنفین وقت کے جید علما و فقہا ہیں۔

درجۂ فضیلت کے طلبہ اپنے صرفے سے ہر سال کوئی اہم تاریخی و تحقیقی کتاب طبع کراتے ہیں اور ان کی اشاعت عمل میں آتی ہے ۲۰۱۶ء/ ۱۴۳۷ھ میں اشرفیہ سے درجۂ فضیلت مکمل کر کے فراغت لینے والے طلبہ نے اس بار اپنے اساتذہ کی رہنمائی میں برسوں سے نایاب عربی کتاب "جامع مسانید الامام الاعظم" کی تحقیق و ترتیب و اشاعت کا منصوبہ بنایا اور کڑی محنتوں کے بعد دو جلدوں میں یہ کتاب منظر عام پر آئی۔ جلد اول ۵۳۴ صفحات کو محیط ہے اور جلد ثانی ۴۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ مسند امام اعظم کو ساتویں صدی ہجری کے جید محقق و مصنف امام ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی علیہ الرحمۃ (۵۹۳۔۶۶۵ھ) نے جمع فرمایا تھا اور چالیس ابواب قائم فرمائے تھے۔ زیر نظر مطبوعہ جلد اول میں بیس اور جلد دوم میں بیس ابواب محفوظ رکھے گئے ہیں اور ان دونوں جلدوں کی جدید تحقیق و ترتیب، مراجعت، اور ترقیم احادیث کا کام جامعہ اشرفیہ کے مؤقر استاذ محب گرامی حضرت مولانا مفتی محمد علی مشاہدی، مولانا محمد قاسم مصباحی اور مولانا محمد ہارون مصباحی صاحبان نے مشترکہ طور پر انجام دیا ہے۔ اول الذکر استاذ نے پوری کتاب پہ از سر نو نگاہ ڈالی ہے اور جگہ جگہ مفید تعلیقات تحریر کی ہیں۔ اس طرح یہ عظیم و جلیل الشان تصنیف لائق طباعت ہوئی۔

درجۂ فضیلت کو اس کتاب کی اشاعت کی طرف معروف ممتاز محقق و استاذ علامہ محمد احمد مصباحی سابق پرنسپل جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے توجہ دلائی اور اپنی نگرانی میں یہ کام مکمل کرادیا۔ آغاز کتاب جلد اول میں کلمۃ النشر کے عنوان سے درجہ فضیلت کی جانب سے ایک افتتاحیہ تحریر ہے اور ڈھائی صفحات پر بین یدی الکتاب کے عنوان سے مفتی محمود علی مشاہدی نے جامع مسانید الامام الاعظم کی خصوصیات پر اجمالاً روشنی ڈالی ہے اور موجودہ طباعت کے امتیازات بیان کیے ہیں۔ پھر ساڑھے گیارہ صفحات پر استاذ محترم حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے ایک جامع تقدیم رقم فرمائی ہے جس میں کتاب، صاحب کتاب اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقائق و معارف پیش کیے ہیں۔ احوال امام اعظم کے ضمن میں علم حدیث میں امام اعظم کے کمالات زیر بحث آئے ہیں اور ان سے مروی احادیث کی واقعیت پر کلام کیا گیا ہے۔ یہ پورا مقدمہ انتہائی جامع ہے اور فاضل مقدمہ نگار کی علمی و ادبی جامعیت، قابلیت، اخاذ طبیعت اور بلند نگاہی و علمی و تحقیقی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

صفحہ چالیس سے اصل جامع مسانید کا آغاز ہوتا ہے۔ شروع کے آٹھ صفحات میں خود کتاب کے جامع و مؤلف امام محمد بن محمود خوارزمی علیہ الرحمۃ کا مقدمہ ہے جس میں مسانید امام اعظم کے مشمولات و مندرجات پر بحث کی گئی ہے۔ انھیں یہ مسانید جمع کرنے کا خیال کیوں آیا؟ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میں نے ملک شام کے بعض ناواقف جہلا سے یہ سنا کہ وہ امام اعظم کی علم حدیث میں مہارت اور روایت حدیث پر کلام کر رہے ہیں اور امام اعظم کی تنقیص شان کر رہے ہیں، کم روایت حدیث کو بہانہ بنا کر علم حدیث میں ان کی علمیت و لیاقت پر طعنے کس رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام شافعی کی مسند ہے، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کی مسانید موجود ہیں، امام اعظم ابو حنیفہ کی تو کوئی مسند ہے ہی نہیں، اسی لیے میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اس میدان میں کام کروں گا تاکہ ان کا منہ بند ہو جائے اور امام اعظم پر لگایا ہوا یہ الزام اپنی بنیاد کھو دے۔ اس کے لیے میں نے مسانید امام اعظم کے پندرہ مجموعوں کو نگاہ میں رکھ کر جامع مسانید الامام الاعظم کے نام سے یہ ضخیم کتاب مرتب کی اور علمی دنیا کے حضور پیش کر دیا۔

کتاب کا باب اول و دوم علی الترتیب فی ذکر شی من فضائلہ التی تفرد بھا اجماعاً اور فی ذکر طرقنا فی ھذہ المسانید الیٰ اصحابنا پر مشتمل ہے اور چالیسواں باب فی معرفۃ المشائخ ہذہ المسانید علی حروف المعجم کے عنوان سے مرتب کیا گیا ہے۔ بقیہ ابواب فقہی ترتیب سے درج کیے گئے ہیں اور ان کے تحت امام ابو حنیفہ کی مرویات کو پیش کیا گیا ہے۔ کتاب بڑی اہم اور عمدہ چھپی ہے، طباعت بڑی نفیس اور جلد مضبوط ہے۔ یہ کتاب ہر لائبریری کا حصہ بن سکتی ہے۔

■■■

منظومات

مناجات

یا الٰہی دلِ مسلم کو فروزاں کر دے
گلشنِ زیست کو فردوس بداماں کر دے
تازگی بخش دے مرجھائے ہوئے پھولوں کو
ڈالی ڈالی کو ہم آغوشِ بہاراں کر دے
واسطہ شانِ کریمی کا تری ہے تجھ کو
مشکلیں بے کس و نادار کی آساں کر دے
نارِ نمرود لپکتی ہے ہمیں پھر یارب
ان بھڑکتے ہوئے شعلوں کو گلستاں کر دے
حق پسندوں سے ہیں الجھے ہوئے اہلِ باطل
یا الٰہی انھیں رسوا سرِ میداں کر دے
تیری رحمت کے سہارے ہے یہ کشتی اپنی
موجِ طوفاں کو سفینے کا نگہباں کر دے
تیرا احسنؔ ہے گنہگار مگر اے مولا
داغ سے پاک مِرا دامن عصیاں کر دے

محمد فاروق خاں احسنؔ اعظمی

نعت

ہو مثلِ محمد صلِّ علیٰ ممکن ہی نہیں ممکن ہی نہیں
رتبے میں ہو کوئی ان سے سوا ممکن ہی نہیں ممکن ہی نہیں
جتنے بھی پیمبر ہیں برحق بس ایک نبیؐ رحمت کے
کوئی بھی کرے دیدارِ خدا ممکن ہی نہیں ممکن ہی نہیں
ہیں جس سے مہکتے سارے چمن ہے جس پہ فدا وہ مشک ختن
آقا کے سوا ہو زلف دوتاؔ ممکن ہی نہیں ممکن ہی نہیں
دیکھو تو اُحد کا یہ منظر کہتے ہیں نبی یہ چشم بہ تر
حمزہ سا ہو کوئی دیں پہ فدا ممکن ہی نہیں ممکن ہی نہیں
دشمن کو لگے جو اس کا پتہ موجود ہے اس میں نورِ خدا
جالا جو تنا ، مکڑی نے کہا ممکن ہی نہیں ممکن ہی نہیں
سورج کو پھرائے مغرب سے جو چاند کو کردے دو ٹکڑے
آقا سا ملے یہ حسنِ ادا ممکن ہی نہیں ممکن ہی نہیں
تاریخ اٹھا کے دیکھ قمرؔ اک ابن علی حیدر کے سوا
ہو نوک سناں قرآن پڑھا ممکن ہی نہیں ممکن ہی نہیں

قمرؔ جیلانی ٹانڈہ امبیڈکر نگر

نعت

سرکارِ دوعالم کی الفت، سینے میں جو ڈھالی جاتی ہے
جنت کی فضا، جنت کی ہوا، دنیا میں ہی پالی جاتی ہے
ہیں پست یہاں پر تخت سبھی، سب تاج یہاں پر جھکتے ہیں
سرکار کی چوکھٹ پر شاہی، خود بن کے سوالی جاتی ہے
طیبہ کے مسافر سن تو ذرا، ہر وقت ادب ہو پیشِ نظر
جب سامنے جالی آتی ہے، تب آنکھ جھکا لی جاتی ہے
ہر نعمتِ دنیا سے اچھی، کہتے ہیں اُسے کہنے والے
اُس در سے گدا کے کاسے میں جو بھیک بھی ڈالی جاتی ہے
اللہ کی رحمت ہوتی ہے، کھلتے ہیں کرم کے راز اُن پر
دیدارِ نبی کی دولت جن آنکھوں میں چھپا لی جاتی ہے
مچھلی کے شکم سے ملتی ہے کھوئی ہوئی دلکش انگوٹھی
اے بندۂ حق بسم اللہ کی، عادت جو بنا لی جاتی ہے
ملتی ہے بلندی بندوں کو سرکار کے نامِ نامی سے
دنیا کی مصیبت کلمے کی تکرار سے ٹالی جاتی ہے
سجدوں کی تڑپ ہو جاتی ہے، بیدار جبینِ انساں میں
کعبے کی اذاں کے دامن میں جب روحِ بلالی جاتی ہے

مہتابؔ درودِ رحمت کے، ہونٹوں پہ سجا کر گل بوٹے
دنیا بھی بنا لی جاتی ہے، عقبیٰ بھی بنا لی جاتی ہے

مہتاب پیامی

صدائے بازگشت

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں تعلیمی مواقع

مکرمی ومحترمی..................سلام مسنون

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد، اسلامیات کے میدان میں تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ یہ شعبہ ۲۰۱۲ء سے قائم ہے، جس میں ڈپلوما، گریجویشن، پوسٹ گریجویشن، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مواقع دستیاب ہیں۔ شعبہ میں داخلہ کے لیے مدارس کے طلبہ کے لیے بھی مواقع فراہم کیے گئے ہیں، **جن میں آپ کے ادارہ کی فضیلت کی سند کو ایم اے اسلامیات میں داخلہ کے لیے منظوری حاصل ہے۔**

اس شعبے میں صحیح نہج پر اسلامیات کی تعلیم فراہم کرنے کے ساتھ جدید ماحول میں طلبہ کی دینی شناخت کو برقرار رکھنے اور انھیں معاشرہ میں اپنی اخلاقی ذمہ داریوں کوادائگی کے لیے آمادہ کرنے پر توجہ مرکوز ہوتی ہے، تاکہ وہ معاصر دنیا کو درپیش مسائل کا اسلامی حل دریافت کرسکیں اور انسانیت کی رہبری کریں۔

اس خط کے ساتھ ایک اعلان بھی منسلک کیا جارہا ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ آپ دلچسپی رکھنے والے طلبہ کو اس جانب متوجہ کریں گے اور منسلکہ اعلان کو مناسب جگہ پر آویزاں کروائیں گے۔ آپ کے اس علمی تعاون کے ہم پیشگی شکرگزار ہیں۔

از: شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی، حیدرآباد

ماہ نامہ اشرفیہ: بلند پایہ مضامین پر مشتمل رسالہ

مکرمی ومحترمی.....................سلام مسنون

ماہ نامہ اشرفیہ پابندی کے ساتھ موصول ہو رہا ہے اور ہر ماہ اس کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے، اس کے تمام مضامین ہر اعتبار سے بلند پایہ اور بہترین طرزِ نگارش کا نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ اصلاحِ فکر وعمل کے اعتبار سے بے انتہا مفید ہوتے ہیں، رب عز وجل یہ سلسلۂ فیض جاری وساری رکھے۔

مارچ اور اپریل کا شمارہ ایک ساتھ بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔

حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ (ناظمِ تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور) کا فکر انگیز مضمون ’’اہل سنت کی شیرازہ بندی: مسائل اور امکانات‘‘ پڑھا۔ یقیناً اتحادِ ملت کی اہمیت سے آج کوئی بھی شخص ناواقف نہیں۔ الحمد للہ یہ سعادت اہلِ برہان پور کے حصے میں آئی ہے کہ آج کے اس شدید فروعی اختلافات کے دور میں انھوں نے اہلِ سنت کی تمام خانقاہوں، سلاسل، مدارس اور تنظیمات کو متحد اور منظم کرنے کا عظیم کارنامہ کردکھایا، وہ بھی اسی خطوط اور اسی نہج پر جس پر علامہ محمد احمد مصباحی نے اہلِ سنت کی شیرازہ بندی کا خاکہ تیار کیا ہے۔ یقیناً اتحادِ ملت کی راہ میں یہ قدم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور دوسرے شہروں، قصبوں اور پوری دنیا میں پھیلے ہوئے سوادِ اعظم اہلِ سنت وجماعت کے لیے مشعلِ راہ بھی ہے، لہٰذا اس سے متعلق ایک مضمون ’’ برہان پور میں سوادِ اعظم اہلِ سنت وجماعت کا بے مثال اتحاد‘‘ حاضرِ خدمت ہے۔ اس عنوان سے یہ چند سطریں لکھی ہیں، یہ حقیر بندہ کوئی ادیب یا انشا پرداز نہیں جس کی تحریر میں فصاحت وبلاغت کے جلوے نظر آئیں۔ فقط علامہ محمد احمد مصباحی صاحب کے سوالات پیش قدمی کس طرح ہو؟ کہاں سے ہو؟ کون کرے؟ کے جواب میں یہ مختصر مضمون تحریر کیا ہے اور وہ بھی زندگی میں پہلی بار۔ ہوسکے تو اصلاح کے بعد شائع فرمادیں تاکہ دوسرے حساس، دردمند اور مخلص لوگوں کے لیے مشعلِ راہ ہو۔ فقط

ماسٹر محمد مثنیٰ حارث بن ماسٹر محمد امین چشتی

غازی سالار میدان، مومن پورہ، برہان پور (ایم پی)

==========================

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

(۱)

بھیونڈی میں

محمد عارف دانش رضوی متّصل ڈاکٹر پرویز انصاری

اللہ والی مسجد کے پیچھے، زیتون پورہ،

بھیونڈی، تھانہ (مہاراشٹر) موبائل:07709291786

(۲)

آسنسول میں

نشاط بک ڈپارٹ

جی ٹی روڈ، نیو سینما، ضلع آسنسول (ویسٹ بنگال)

وفیات

حضرت شیخ الجامعہ کو صدمہ

سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی دام ظلہ العالی صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کے چھوٹے بہنوئی جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب مرحوم ۲۸/ شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ مطابق ۵/ جون ۲۰۱۶ء بروز یک شنبہ شام ۴ بج کر ۴۰/ منٹ پر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے وصال کی خبر سن کر ضلع کشی نگر اور اس کے قرب و جوار میں سوگ کا ماحول قائم ہو گیا۔ مولانا موصوف ایک متصلّب سنی عالم دین تھے۔ آپ کا آبائی وطن بڑا سرہ گنج تھا۔ یہ علاقہ بد مذہبوں سے بھرا پڑا تھا۔ اس لیے آپ نے ترک وطن کر کے بہودرہ چھپرہ تھانہ پیرا ضلع کشی نگر میں سکونت اختیار کر لی۔ وقتاً فوقتاً آپ بد مذہبوں سے احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ بھی انجام دیتے تھے۔

آپ کی ولادت ننہال موضع پر سونی بازار ضلع مہراج گنج (یوپی) میں ۲۲/ مارچ ۱۹۵۶ء کو ہوئی۔ آپ نے دینی تعلیم کی تحصیل مختلف مکاتب و مدارس میں کی۔ اس کے بعد کئی دہائیوں تک درس و تدریس سے منسلک رہے۔ اخیر عمر میں بیماری کے سبب تدریسی سلسلہ موقوف کر دیا۔

مولانا محمد اسماعیل مرحوم ایک با اخلاق اور خوش مزاج نیک انسان تھے۔ حضرت سراج الفقہا دام ظلہ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ اس علاقہ میں دور دراز کے اجلاس میں حضرت سراج الفقہا کی تشریف آوری کی خبر سن کر آپ سے ملاقات اور خطاب سننے کے لیے تشریف لے جاتے۔ حد درجہ بیماری، نقاہت اور تکلیف کے باوجود اخیر عمر میں بھی یہ سلسلہ قائم رکھا۔ آپ کی خوش اخلاقی و خوش روئی نے اس علاقے کے کثیر علمائے کرام کو اپنی جانب ملتفت کر لیا تھا۔ لیکن افسوس کہ وقت اجل آپہنچا اور آپ دار فانی سے دار جاودانی کی طرف ۶۰/ سال کی عمر میں کوچ کر گئے۔ نماز جنازہ حضرت سراج الفقہا دام ظلہ العالی عوام مسلمین کے علاوہ سیکڑوں کی تعداد میں علمائے کرام نے شرکت کی۔ آپ کے پسماند گان میں اہلیہ کے علاوہ ۹/ اولاد (۶/ ذکور، ۳/ اناث) ہیں۔ تین لڑکے جناب شعبان الدین احمد، بہاء الدین اور صلاح الدین حافظ کلام باری ہیں۔ اور آپ کے ایک صاحبزادے جناب نور الدین صاحب عالم دین اور ایک مدرسہ میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

رب قدیر آپ کی مغفرت فرمائے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے پسمانہ گان اور متعلقین کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے آمین۔ قارئینِ اشرفیہ سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

از: مولانا محمد صدام حسین برکاتی مصباحی
مقام بھوجولی پوکھرا ٹولہ ضلع کشی نگر (یوپی)

(ص: ۴۴/ کا بقیہ)... جو لوگ جہیز کے معاملے میں ذرہ برابر رو رعایت نہیں کرتے وہی لوگ عورت کا مہر ادھار آگے ادا کرنے کے لیے اٹھا چھوڑتے ہیں یہی وجہ اس کی بے برکتی کی وجہ سے زوجین میں اتنی محبت و انسیت نہیں ہوتی، لڑائی جھگڑا ہوتے رہتا ہے، اللہ کے رسول نے فرمایا: عورت سے فائدہ مہر دیکر حاصل کرو برکت ہوگی۔ (الحدیث)

مہر کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و اٰتوا نساء صدقٰتھن نحلة فائن طبن لکم عن شئی منه نفسافکلوہ ھنیا مر یا

ترجمہ: اور عورتوں کے مہر خوشی سے دو پھر اگر اپنے دل سے مہر میں سے تمہیں کچھ دے دیں تو اسے کھاؤ لذت حاصل کرتے ہوئے خوش گوار سمجھتے ہوئے کھاؤ۔ (القرآن، سورہ نساء ۴، آیت ۶)

آج مہر کے معاملے کو بہت آسان سمجھا جاتا ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی ہے حالاں کہ یہ حقوق العباد میں سے ہے اگر عورت کو مہر ادا نہیں کیا تو قیامت میں اس کا سخت مواخذہ ہو گا عورت کو یہاں تک حق ہے کہ اگر مہر معجّل مقرر کیا گیا ہے تو بغیر مہر وصول کیے عورت اپنے اوپر قابو نہ دے (فائدہ حاصل نہ کرنے دے) تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا. (اللہ اعلم و رسولہٗ) ان تمام معاملے میں خاص کر جہیز کی مانگ کے سلسلے میں واعظین علمائے کرام اہل علم و دانش، سماج کے سبھی دانشور حضرات تحریک چلائیں کم از کم اپنے محلے اپنے علاقے پر کوشش کریں برابر محنت کریں تاکہ اس برائی سے نجات پایا جا سکے اللہ ہم سب کو دین اسلام کے احکام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ ☆☆☆☆

خیر و خبر

عرس محسن ملت

۴، ۳جون ۲۰۱۶ء کو ہر سال کی طرح اس سال بھی عرس محسن ملّت نہایت تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا۔ جس میں ملک کے مایۂ ناز علمائے کرام اور شعرائے عظام نے شرکت کی۔

محسن ملّت مولانا شاہ محمد حامد علی فاروقی علیہ الرحمہ الرضواں ہندوستان کی ان مایہ ناز ہستیوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیا اور شدھی آندولن کے بلا خیر طوفاں کا رخ موڑ کر ہزاروں مسلمانوں کو کفر وارتدار کے دلدل میں پھنسنے سے بچایا۔

آپ آلہ اباد کے رہنے والے تھے، خاندانی طور پر بابا فرید گنج شکر کے واسطے سے امیرالمومنین سیدنا عمر فاروق کی اولاد میں سے تھے، بریلی شریف سے سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ سے سندو فراغت حاصل کر کے آپ اجمیر مقدسہ حاضر ہوئے اور پھر وہیں سے آپ کو مدھیہ بھارت کا اشارہ ہوا اور پھر آپ اس علاقے میں پہنچے اور تبلیغ اسلام کے مقدس فریضہ کی ادائگی میں اپنی پوری زندگی گزار دی۔

آپ کے عرس کے موقع پر عدالت شرعیہ مسلم کورٹ کے ذریعہ طلاق وخلع کے کئی مسائل بھی حل کیے گئے۔ اس موقع پر جانشین محسن ملّت حضرت مولانا محمد علی فاروقی کی صدارت میں اس سلسلے میں ایک سیمینار بھی منعقد ہوا جس میں ریاض الحق عارف صدیقی ایکس وائس چانسلر پرائیوٹ یونیورسٹی اور شاہد صدیقی ایل ایل ایم (ایڈوکیٹ) نے موجودہ قانوں کے تحت قوم سے خصوصی خطاب فرمایا۔

۴ جون کو بعد عصر چادر وصندل کا روح پرور منظر لوگوں نے دیکھا۔ آج جبکہ عرسوں کا ہر جگہ ستیاناس کیا جارہا ہے۔ اس کا آڑ لے کر طرح طرح کے خرافات کو جنم دیا جارہا ہے۔ ایسے ہوش ربا ماحول میں شریعت کی مکمل پابندی کے ساتھ عرس محسن ملّت اس طرح انجام دیا گیا کہ تمام حاضریں اور تمام شرکا کے قلوب عشق رسول کی تجلیات سے جگمگا اٹھے۔ رات میں طلبہ کو دستار فضیلت سے نوازا گیا۔

اس موقع پر الجامعۃ الاشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ، حضور حافظ ملّت کے لخت جگر، نور نظر، دنیاے سنیت کے عظیم رہبر، حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب قبلہ دام ظلہ نے علم کی ضرورت اور عصر حاضر کے چیلنج پر نہایت پر مغز خطاب فرمایا اور خطاب کے بعد اپنی تمام اجازت وخلافت سے حضرت جانشین محسن ملّت کو نوازتے ہوئے ان کے لیے خصوصی دعا فرمائی، جس وقت آپ نے اپنی خلافت واجازت کا اعلان فرمایا، پورا مجمع خوشی ومسرت سے جھوم اٹھا اور نعرہ تکبیر کے فلک بوس صداؤں سے پورا علاقہ جھوم اٹھا۔

رات ۳/ بجے صلوٰۃ وسلام پر اس محفل پاک کا اختتام ہوا۔

از: سید سبطین رضا ہاشمی، رائے پور۔ چھتیس گڑھ

دارالعلوم محمدیہ ممبئی کا ۴۱/واں جلسہ دستار فضیلت

بروز اتوار بعد نماز مغرب ۱۵/ مئی ۲۰۱۶ء ابراہیم مرچنٹ روڈ کھڑک، محمد علی روڈ ممبئی میں دارالعلوم محمدیہ ممبئی کا ۴۱/واں سالانہ جلسہ دستار فضیلت نہایت تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا جس میں سیکڑوں علما ومشائخ اور ہزاروں کی تعداد میں جانثاران حضور اشرف العلما نے شرکت کی۔ آغاز جلسہ میں سنی دارالعلوم محمدیہ کے طلبہ نے شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے قراءت ونعت اور مراٹھی وانگلش تقاریر سے سامعین کو محظوظ کیا۔

دارالعلوم محمدیہ کے شیخ الحدیث حضرت علامہ توکل حسین حشمتی نے طلبہ کو بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مختصر سوانح بیان فرمائی۔ بعدہ ناظم اعلیٰ دارالعلوم محمدیہ نے دارالعلوم کی سالانہ کارکردگی اور آمد وخرچ کا اجمالی خاکہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ امسال شہزادۂ حضور اشرف العلما حضرت مولانا سید محمد نظام اشرف کی خصوصی توجہ اور دلچسپی سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے، طلبہ میں خصوصی مراٹھی وانگلش تقریری صلاحیت پیدا کرنے اور دیگر ہنر سے طلبہ کو آراستہ کرنے کے لیے ادارہ نے موئثر اقدام کیے۔ موصوف نے فرمایا کہ امسال طلبہ کے مابین تقریری انعامی مقابلوں رکھے گئے طلبہ نے بیرونی مقابلوں میں حصہ لیا اور نمایاں کامیابی حاصل کیں آپ نے دہلی میں طلبہ کے P. H. D. اور M. A. کے طلبہ کا ذکر کرتے ہوئے دارالعلوم کے مزید عزائم پر روشنی ڈالی۔

امسال دارالعلوم محمدیہ کے شعبہ عالم سے ۲۷/ شعبہ حفظ سے ۱۷/ اور شعبہ قراءت سے ۱۲/ طلبہ کو سندو دستار سے نوازا گیا۔ دارُالعلوم سے

اب تک کثیر طلبہ فارغ ہوئے جن کی تعداد بحمدہ تعالیٰ پانچ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔ اس پروگرام میں شاعر اسلام مشتاق تیغی نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ہدیہ نعت پیش کیا، بعدہ ناظم اجلاس مولانا سید اطہر علی نے حسب معمول دارالعلوم کی آمد و خرچ کا تفصیل کے ساتھ روداد پیش کیا۔

مقرر خصوصی حضور غازی ملت نے دارالعلوم محمدیہ کو درسگاہ اور خانقاہ کا بہترین سنگم قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ خانقاہوں سے تربیت اور درسگاہوں سے تعلیم دی جاتی ہے۔ آپ نے چشتی اشرفی سلسلوں کی خدمات کو سراہا آپ نے برکاتی خانقاہوں سے ہوئی علمی دینی خدمات کی تعریف کی۔

شہزادۂ حضور اشرف الاولیا شیخ طریقت حضرت مولانا سید جلال الدین صاحب قادری میاں نے علالت کے باوجود جلسہ کو رونق بخشی اور اپنے خصوصی، مختصر مگر مدلل اور بامقصد خطاب میں لوگوں کو برائیوں سے بچنے اور امر بالمعروف کی دعوت دی۔ ساتھ ہی آپ نے لوگوں کو کثرت سے استغفار کرتے رہنے کو کہا۔ جلسہ میں آپ نے سامعین کو خود احتسابی کی دعوت دی، ادارہ کے طلبہ کو دعاؤں سے نوازا اور ادارہ کی ترقی کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

شہزادۂ حضور اشرف العلما و سربراہ اعلیٰ سنی دارالعلوم محمدیہ مخدوم گرامی حضرت علامہ سید محمد خالد اشرف کے زیر صدارت اور شہنشاہ خطابت مفکر ملت حضرت علامہ ظہیر الدین خان صدر المدرسین دارالعلوم محمدیہ کے زیر قیادت اس عظیم الشان اجلاس میں مفتی حسیب اختر کانپوری، مولانا سید سبحانی میاں، سید مناظر اشرف، سید معز اشرف، سید پیر زاہد اشرف، سید معاذ اشرف، مفتی سلیم اختر، مولانا رجب علی، مولانا حسن علی، قاری مشتاق تیغی، مولانا ظفر الحق، مولانا امین الدین، مولانا خورشید جمال، مولانا وارث جمال، مولانا معین الدین، مولانا عبدالحنان اشرفی، مولانا علی احمد، مولانا سراج، مولانا الیاس، قاری غلام حیدر، مولانا عین الحق، مولانا اسرار بقائی، مولانا عبدالرحیم، مولانا رحمت اللہ برکاتی، مولانا جمشید عالم، مولانا جنید عالم، مولانا جان محمد برکاتی، حضرت مولانا غلام معصوم اشرفی، مفتی نعیم اختر، مولانا ریاض احمد، مولانا مفتی مجیب الرحمٰن، مولانا نورالہدایٰ اشرفی، مولانا شرف الدین، مولانا سید مسعود اشرف، حضرت مولانا عبدالقدوس، مولانا شوکت علی حبیبی، مولانا واجد علی، قاری عظمت اللہ، قاری اسلام، قاری صدیق، قاری جمشید عالم، قاری اصغر علی اشرفی، مولنا نور الاسلام اشرفی، قاری کمال نعیمی، قاری مستقیم، قاری رفیق، مولانا اسد، مولانا تحسین اشرفی، مولانا عبدالغفار نے شرکت کی۔

مشہور ملی سماجی رہنما جناب جاوید جنیجا کارپوریٹر، اور معززین شہر نیز اترپردیش، بہار و بنگال سے سیکڑوں مہمان اور دارالعلوم کے سیکڑوں ابنائے قدیم نے شرکت سے جلسے کو رونق بخشی بعدہ شہزادگان حضور اشرف العلما حضرت مولانا سید خالد اشرف، حضرت مولانا سید محمد نظام اشرف کی دعا پر جلسہ اختتام پزیر ہوا۔

محمد تحسین اشرفی، دارالعلوم محمدیہ ممبئی

جامعہ صدیقیہ سوجا شریف میں سالانہ جلسہ

۲۱ر شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۹ر مئی ۲۰۱۶ء کو جامعہ صدیقیہ سوجا شریف ضلع باڑمیر راجستھان کا سالانہ جلسہ دستار بندی و ختم بخاری شریف ہوا، جس میں صاحبِ مزار حضرت پیر روشن ضمیر قطب تھر سید قطب عالم شاہ جیلانی عرف دادا میاں علیہ الرحمہ کا عرسِ جیلانی بھی شامل تھا۔ ملک و ملت کے مشاہیر علما و مشائخ نے شرکت فرمائی، جس میں مخدوم المشائخ حضرت مولانا سید اشرف کلیم اشرفی جیلانی جائس شریف نے شرکت فرمائی، جس میں مخدوم المشائخ حضرت علامہ سید اشرف کلیم اشرفی جیلانی جائس شریف اور مبارک پور اشرفیہ سے ناظم تعلیمات خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، رئیس القلم حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی، فخرِ صحافت حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی، ماہرِ رضویات حضرت مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلی شریف، حضرت علامہ مفتی محمد ایوب رضوی روناہی، حضرت مولانا فہیم احمد ازہری ثقلینی کمرالہ بدایوں، حضرت مولانا فیض الحق نبیرۂ علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی، خطیب خاص حضرت مولانا سید شمیم الدین منعمی پٹنہ کے علاوہ راجستھان و گجرات اور کچھ کے درجنوں علمائے کرام نے جلسہ کو زینت بخشی۔ ۱۲ر طلبہ کو سندِ فضیلت و قراءت سے سرفراز کیا گیا۔

نمازِ ظہر کے بعد ختم بخاری شریف کی تقریب عمل میں آئی، بعد نمازِ عصر قومی ایکتا کا پروگرام منعقد ہوا۔ نمازِ مغرب کے بعد طلبۂ ادارہ نے اپنا خصوصی پروگرام پیش کیا پھر بعد نمازِ عشا علمائے کرام کے نورانی بیانات اور رسم دستار بندی ہوئی۔ بعد نمازِ فجر خانقاہ شریف پر قل شریف اور چادر پوشی و دعا پر یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

از: محمد رحیم صدیقی، سوجا شریف